بنیاد، جلد ۱۷، ۲۰۲۶ء

ساجد صدیق نظامی*

”اسباب سرکشی ہندوستان ۱۸۵۷ء“ کے جواب میں ایک محضر
(از صوبیدار شیخ ہدایت علی)

A Statement in Response to *The Causes of the Indian Revolt of 1857* (by Subedar Sheikh Hidayat Ali)

Abstract:

The year 1857 occupies a pivotal place in the history of India. Historians remain divided over its interpretation, variously describing it as the Mutiny or the War of Independence, depending on their historical and ideological perspectives. In the aftermath of the conflict, the British government circulated a set of questions among prominent Indians and British officials in an effort to identify the causes of the widespread violence and upheaval. Several Indian respondents answered these inquiries with a combination of candour and diplomatic caution. Among these responses, Sir Syed Ahmad Khan's *Asbab-e-Baghavat-e-Hind* became the most influential and widely known. However, its prominence overshadowed a number of other contemporary responses written in a similar spirit. One such response was authored by Subedar Sheikh Hidayat Ali of the Bengal Army, who was invited to present his views on the causes of the events of 1857. Hidayat Ali recorded his observations in Urdu, and his mentor, Captain Thomas Rattray, translated the document into English on 30 January 1858. Although the translation was published, little is known about its circulation or reception. This article introduces and contextualizes this neglected document, provides information about the life and background of its author, and offers a critical examination of Hidayat Ali's analysis of 1857. It also compares his response with other contemporary accounts written for the same purpose. To facilitate further research, the article includes a complete Urdu translation of the document.

Keywords: 1857, War of Independence, Mutiny, History, Bengal Army, Sir Sayyad, Sheikh Hidayat.

اٹھارہ سو ستاون کا واقعہ ہندوستان کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ اس پر ہندوستان اور برطانیہ؛ ہر دو

خطوں سے تعلق رکھنے والے مؤرخین، انتظامی اہلکاروں، فوجی افسروں، عینی شاہدین، محققین وغیرہ نے بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تحریر کر رکھے ہیں۔ گو کہ اس واقعے کو پونے دو سو برس ہونے کو آئے ہیں لیکن اردو، ہندی، انگریزی اور متعدد دیگر زبانوں میں ۱۸۵۷ء سے متعلق دستاویزی مواد کی فراہمی اور اس پر نقد و تحقیق کا سفر اب بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ اردو میں اس حوالے سے کئی ایک محققین قلم فرسائی کر چکے ہیں، جنھوں نے متعدد پہلوؤں سے اس واقعے کا جائزہ لیا ہے۔ ان محققین میں غلام رسول مہر (۱۸۹۵ء-۱۹۷۱ء)، سید خورشید الحسن رضوی، محمد عتیق صدیقی (۱۹۱۳ء-۱۹۸۲ء)، سلیم الدین قریشی، نمایاں ہیں[۱]۔

۱۸۵۷ء کی خوں آشام آندھی گزر جانے کے بعد جب مطلع سلطنت انگلشیہ کے لیے ساز گار ہونا شروع ہوا تو اربابِ حلّ و عقد نے اس واقعے کے اسباب کا سراغ لگانے کے لیے ہندوستان اور انگلستان کے نمایاں اور سر کردہ افراد کے لیے ایک سوال نامہ مشتہر کیا۔ اس مختصر سے سوال نامے میں یہ استفسار کیا گیا تھا کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جن کے سبب یہ محاربہ وقوع پذیر ہوا۔ اس سوال نامے کا سب سے مشہور جواب تو وہی ہے جو سر سید احمد خان نے اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون کے عنوان سے تحریر کیا اور جو بعد ازاں الطاف حسین حالی کے دیے گئے نام رسالۂ اسباب بغاوتِ ہند سے معروف ہوا[۲]۔ بر سبیلِ تذکرہ، سر سید احمد خان کے اس مضمون پر نقد کے حوالے سے ضیاء الدین لاہوری کا ایک عمدہ مضمون ”اسباب بغاوتِ ہند‘ کے پسِ پردہ“ بھی قابلِ ملاحظہ ہے[۳]۔

سر سید کے جواب کے علاوہ بھی چند ایک ہندوستانیوں نے ان سوالات پر اظہارِ خیال کیا۔ اگرچہ سر سید احمد خان کا خیال تھا کہ ہندوستانیوں میں سے صرف وہی یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ سر سیّد کے الفاظ میں:

> سرکشی ہندوستان کے جواب مضمون میں، جو مَیں نے اصلی اسبابِ بغاوتِ ہندوستان کے بیان کیے تھے اگرچہ دل چاہتا تھا کہ اب ان کو صفحہ روزگار پر سے مٹا دوں بلکہ اپنے دل سے بھی بھلا دوں... مگر ان فسادات کے اصلی سببوں پر غور کرنا اور اپنی صداقت سے سچے سچے سببوں کا بیان کرنا، مَیں ایک عمدہ خیر خواہی اپنی گورنمنٹ کی سمجھتا ہوں۔ اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ گو ان کا علاج بخوبی ہو گیا ہو، پھر بھی جو سبب میرے دل میں ہیں، ان کو بھی ظاہر کر دوں۔ سچ ہے کہ بہت بڑے بڑے دانا اور تجربہ کار لوگوں نے اس بغاوت کے سبب لکھے ہیں مگر امید ہے کہ شاید کسی ہندوستانی آدمی نے اس میں کوئی بات نہ لکھی ہو۔ بہتر ہے کہ ایسے شخص کی بھی ایک رائے رہے[۴]۔

سلیم الدین قریشی کے مطابق اس حوالے سے کیدار ناتھ، جیون لال، موہن لال کے تحریری بیانات انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں۔ نیز وہ لکھتے ہیں:

ان کے علاوہ ایک اور تفصیلی مضمون ”The Thoughts of a Native of Northern India on the Rebellion, Its Causes and Remedies“ ہے جو لندن ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا تھا، اس پر مصنف کا نام درج نہیں لیکن اندراجات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی ہندو اہلِ قلم اور دانش ور کی تحریر ہے۔ ایک دوسرا تفصیلی مضمون ”Causes and Progress of the Mutiny“ جو منشی موہن لعل نے ۱۱ نومبر ۱۸۵۷ء کو بریگیڈیئر چیمبرلین کو پیش کیا تھا۔ ان سب کا بنیادی مقصد ہندوستان کی ہندو رعیت کو انگریزی حکومت کا وفادار ثابت کرنا، ان کو بغاوت کے الزام سے بری الذمہ قرار دینا اور انگریزی حکومت کی ہندو راجاؤں اور حکمرانوں کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کی یاد دہانی کروانا تھا[۵]۔

اسی تسلسل میں ایک اور ماخذ کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ۱۸۵۷ء کے اسباب کی تاریخ کی تلاش میں یہ مختصر سا محضر، شیخ ہدایت علی کا لکھا ہوا ہے، جو تین پشتوں سے انگریزی فوج کا حصہ تھے اور بعد ازاں پہلے ہندوستانی سپاہی بنے جنھیں لیفٹیننٹ کرنل (اعزازی) کے عہدے تک ترقی دی گئی۔ یہ اصل میں اردو ہی میں لکھا گیا تھا لیکن اس کا اصل متن ہم دست نہیں ہے۔ یہ تحریر جنوری ۱۸۵۸ء میں ایک انگریز فوجی افسر کے قلم سے انگریزی میں منتقل ہوئی اور اسی زمانے میں یہ چند صفحات شائع کر دیے گئے لیکن طبع شدہ صورت میں ناشر، طابع کے متعلق کچھ معلومات نہیں دی گئیں۔ اس کا ایک نسخہ بوڈلین لائبریریز، آکسفرڈ کی ویسٹن لائبریری میں اندراج (IND) Bengal Eb 1 کے تحت محفوظ ہے۔ اس مضمون میں شیخ ہدایت علی کی اسی تحریر کے انگریزی ترجمے کے متن کی بازیافت کی جارہی ہے اور اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ شیخ ہدایت علی کے سوانحی حالات سے متعلق معاصر و متاخر مآخذ سے استفادہ کر کے بہت سی نئی معلومات بہم پہنچائی جارہی ہیں۔ نیز اس یادداشت میں مندرج بیانات کا تنقیدی اور اسی نوعیت کی دیگر تحاریر سے تقابلی جائزہ بھی مضمون کا حصہ ہے۔

شیخ ہدایت علی کے احوالِ زندگی کے حوالے سے متعدد مآخذ نظر نواز ہوتے ہیں۔ چند ایک بنیادی مگر مختصر معلومات *Dictionary of Indian Biography* سے ہم دست ہوتی ہیں[۶]۔

دوسری جانب تین تفصیلی مضامین بھی مل جاتے ہیں جو بہت حد تک اُن کی کامل تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلا مضمون شیخ ہدایت علی کی زندگی اور خدمات کا ایک مفصل خاکہ ہے جسے ہندوستان اور ۱۸۵۷ء کے معروف انگریزی مؤرخ اور فوجی افسر کرنل جارج میلیسن (Col. George Bruce Malleson، ۱۸۲۵ء-۱۸۹۸ء) نے تحریر کیا اور یہ *The Army and Naval Magazine* میں شائع ہوا۔ اس طویل تحریر سے ہدایت علی کی شخصیت اور فوجی خدمات پر خاصی روشنی پڑتی

ہے۔ باقی دو مضامین، دو اڑھائی دہائی قبل انگلستان اور ہندوستان کے فوجی مؤرخین کلف پیریٹ(Cliff Parrett) اور سکوارڈن لیڈر (ر) رانا تیج پرتاپ سنگھ چھینا (پ:۱۹۶۰ء) کی تحقیقات کا نتیجہ ہیں۔ اس ضمن میں اوّلیت تو کلف پیریٹ کو حاصل ہے لیکن ثانی الذکر نے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، حکومت ہندوستان میں محفوظ بعض دستاویزات کی مدد سے پہلے مضمون پر اضافے کیے ہیں اور بہت سی نئی معلومات بھی بہم پہنچائی ہیں[۷]۔

ان مآخذ سے شیخ ہدایت علی کی زندگی سے متعلق جو معلومات ہم دست ہوتی ہیں، ان کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

شیخ ہدایت علی ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد اور ان سے قبل دادا بھی انگریزی فوج (بنگال آرمی) میں بطور سپاہی کام کر چکے تھے۔ شیخ ہدایت علی کے دادا ۱۷۶۳ء میں کمپنی کی افواج میں تھے اور صوبیدار کے عہدے تک پہنچے۔ والد نے ۱۸۰۱ء میں کمپنی کی افواج میں شمولیت اختیار کی اور وہ بھی صوبیدار رہے۔ ۱۸۵۳ء میں ان کا انتقال ہوا[۸]۔ جیسے ہی ہدایت علی کی عمر سترہ برس ہوئی، انھوں نے ۱۸۴۲ء میں بنگال آرمی میں شمولیت اختیار کی اور ان کا تقرر آٹھویں بنگال نیٹو انفنٹری 8th Bengal Native Infantry (N.I.) میں ہوا، جہاں ان کے والد اور دادا خدمات انجام دے چکے تھے[۹]۔ ۱۸۴۸-۴۹ء کے ملتان کے محاصرے میں شریک تھے اور دیوان مُول راج کے سپاہیوں سے معرکوں میں نمایاں خدمات انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں رام نگر اور گجرات کی جنگوں میں شریک رہے۔ اس عرصے میں وہ نائیک، ڈرِل نائیک، حوالدار اور پھر حوالدار میجر کے عہدوں پر ترقیاں پاتے رہے۔ مئی ۱۸۵۶ء میں کیپٹن تھامس ریٹرے (Thomas Rattray) کو بنگال آرمی کی پہلی ملٹری پولیس بٹالین کھڑا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تو سپاہیوں کے انتخاب میں اس کی نظرِ انتخاب شیخ ہدایت علی پر بھی پڑی۔ اس بٹالین میں رسالے کے بھی اور پیدل فوج، دونوں کے سپاہی شامل تھے۔ یہ بٹالین بعد میں کیپٹن تھامس ریٹرے کے نام پر Rattray Sikh's کہلائی اور ۱۸۶۴ء میں اس بٹالین کی حیثیت ملٹری پولیس بٹالین سے باقاعدہ فوجی بٹالین میں تبدیل کر دی گئی اور پینتالیسویں بنگال نیٹو انفنٹری 45th Bengal Native Infantry (N.I.) کہلائی۔ کلِف کے مطابق نظم و ضبط کے مظاہرے اور سپاہیانہ تربیت کے لیے کیپٹن ریٹرے نے خصوصی طور پر ہدایت علی کی خدمات مستعار مانگیں۔ ہدایت علی اس وقت حوالدار میجر تھے اور ملک کے بہترین ڈرِل سارجنٹ کے طور پر جانے تھے[۱۰]۔ ہدایت علی کی فوجی ملازمت کے اس موڑ پر کرنل میلیسن (۱۸۲۵ء-۱۸۹۸ء) نے ان کے لیے بے حد تعریفی کلمات استعمال کیے ہیں[۱۱]۔

۱۸۵۷ء کے دوران بہار میں تعینات تھے اور مختلف مقامات پر ہونے والی بغاوتوں کو فرو کرنے اور ان کی اطلاع انگریز حکام تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کرتے رہے۔ پٹنہ کے کمشنر ولیم ٹیلر (William Tayler ۱۸۰۸ء-۱۸۹۲ء) کی معاونت کرنے، دِیناپور میں بغاوت کی بروقت اطلاع دینے اور آرہ، بہار کے دفاع کرنے اور انگریز افواج کے بہترین مددگار کے طور پر خدمات دینے

کے عوض (Order of British India (First Class کے حق دار ٹھہرے، جو اس وقت ہندوستانی سپاہیوں کو دیا جانے والا اعلیٰ ترین اعزاز تھا اور صوبیدار کے عہدے پر مقرر کیے گئے۔ نیز سردار بہادر کا خطاب بھی ملا۔ ۱۸۶۱ء کے لگ بھگ سب لیفٹیننٹ (-Sub Lieutenant) کا عہدہ ملا۔ کچھ عرصے بعد لیفٹیننٹ ہو گئے۔ ۱۸۶۰ء کی دہائی ہی میں آسام، سِکّم، کُوچ بہار اور بھوٹان کی مختلف مہمات میں بھیجے جاتے رہے۔ مارچ ۱۸۶۶ء میں بھوٹان مہم کے اختتام کے بعد انھیں کوچ بہار میں ضلعی سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر کیا گیا[۱۲]۔

۱۸۶۸ء میں جب وائسرائے ہند اور کمانڈر اِن چیف، ہندوستانی افواج کے لیے ایک ایک مقامی اے ڈی سی -Aide-de Camp مقرر کرنے کی منظوری دی گئی تو ۲۲ دسمبر ۱۸۶۸ء کو ہدایت علی جنرل مینسفیلڈ (Gen. William Rose Mansfield۔ ۱۸۱۹ء-۱۸۷۶ء) کے انتخاب کے نتیجے میں ان کے اے ڈی سی Aide-de-Camp مقرر ہوئے[۱۳]۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے تین کمانڈر اِن چیفس نے بھی ہدایت علی کو اس عہدے پر برقرار رکھا۔ اسی دور میں میجر کے عہدے پر ترقی ہوئی۔ ۱۸۷۵ء میں پرنس آف ویلز کے دورۂ ہندوستان میں آگرہ اور دہلی میں ان کے اے ڈی سی بھی رہے[۱۴]۔

یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو آرڈر آف انڈین ایمپائر کے اعزاز یافتگان میں شامل ہوئے۔ اپریل ۱۸۸۰ء میں پہلے ہندوستانی سپاہی بنے جسے اعزازی لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ کمانڈر انچیف کے مقامی اے ڈی سی کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے وہ دیناپور میں اعزازی مجسٹریٹ بھی رہے۔ مالی اعتبار سے خاصے مرفہ الحال شخص تھے۔ بھوٹان میں ان کی ہزاروں ایکڑ زمین تھی جس کے وسیع حصے پر چائے کے باغات تھے۔ خود ان کی خواہش بھی تھی کہ انھیں ان کی خدمات کے عوض نواب کا خطاب مل جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اعلیٰ حکام کو خطوط بھی لکھے لیکن حاصل وصول کچھ نہ ہوا[۱۵]۔ نیز اپریل ۱۸۸۲ء میں، بنگال کے لیفٹیننٹ گورنر، سر ایشلے ایڈن (Sir Ashley Eden۔ ۱۸۳۱ء-۱۸۸۷ء) نے انھیں نواب کا خطاب دینے کے لیے ذاتی سفارش کی[۱۶]۔ انھی خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اولادِ نرینہ نہیں تھی اور چھ بیٹیوں کے باپ تھے[۱۷]۔ ۳ جولائی ۱۸۸۲ء کو دِیناپور، بہار میں انتقال کر گئے۔ ہدایت علی کی وفات کے معاً بعد *Allen's Indian Mail and Register of Intelligence for British and Foreign India, China, and All Parts of the East* میں بھی اختصار کے ساتھ ان کی نمایاں خدمات کو واضح کیا گیا ہے[۱۸]۔

شیخ ہدایت علی کی وفات کے بعد بھی ان کا تذکرہ ہوتا رہا۔ مختلف اخبارات اور فوجی جرائد میں ان کی خدمات کے بارے میں چند تحریریں مل جاتی ہیں۔ کرنل میلیسن کے مضمون کا ذکر تو اوپر آ چکا ہے۔ پھر وقت کی دُھول نے یہ سب نقوش ایسے دھندلا دیے کہ اب انھیں از سرِ نو ترتیب دینا طولِ امل ہو چکا ہے۔

شیخ ہدایت علی کے اس مضمون / تحریر کا انگریزی ترجمہ ۱۸۵۷ء کی صورت حال پر بڑی حد تک قابو پا لینے کے فوری بعد کے زمانے میں ۳۰/ جنوری ۱۸۵۸ء کو مکمل کیا گیا۔ اس تحریر کو کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔ مترجم تھامس ریٹرے Thomas Rattray(۱۸۲۰ء-۱۸۸۰ء) ہیں، جن کا مختصر تعارف *Dictionary of Indian Biography* میں یوں دیا گیا ہے:

> ریٹرے، تھامس (۱۸۲۰ء-۱۸۸۰ء) کرنل: ۱۸۳۹ء میں آرمی کا حصہ بنے؛ ۱۸۴۲ء میں جنرل پولک کی کمان میں خیبر میں رہے اور شدید زخمی ہوئے؛ سندھ میں پہاڑی قبائل کے خلاف سر چارلس نیپئر کی ماتحتی میں رہے؛ ۱۸۵۶ء میں سکھوں کی رجمنٹ کھڑی کی جو بعد ازاں بنگال آرمی کی پینتالیسویں نیٹو انفنٹری اور Rattray's Sikhs کے نام سے جانی گئی، غدر کے دوران ان کے کماندار بھی رہے؛ میجر؛ اسسٹنٹ ایڈجوٹنٹ جنرل (۱۸۷۸ء)؛ ۲۱/ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو وفات پائی؛ C.B, C. S. I۔[۱۹]

مضمون فل اسکیپ سائز کے دس صفحات کو محیط ہے جس میں ہدایت علی نے ایک سپاہی کے نقطۂ نظر سے ان امورات و واقعات کا جائزہ لیا ہے جو بالآخر ۱۸۵۷ء پر منتج ہوئے۔ مترجم کی جانب سے آغاز میں چند سطور ہی اس تحریر کے حوالے سے چند ایک معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

> بنگال آرمی اور بنگال پریزیڈنسی میں گزشتہ بغاوت سے متعلق چند باتیں، شیخ ہدایت علی، صوبیدار / سردار بہادر، بنگال سکھ پولیس بٹالین؛ زیرِ کمان: کیپٹن تھامس ریٹرے، جنھوں نے اس محضر کا اردو سے ترجمہ بھی کیا۔[۲۰]

یہاں اس امر کا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کو بنگال آرمی کی بغاوت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء تک شمالی ہندوستان اور پنجاب تک کے علاقے بنگال پریزیڈنسی کے انتظامی طور پر ماتحت تھے اور ان علاقوں میں تعینات فوج بنگال آرمی یا بنگال نیٹو انفنٹری Bengal Native Infantry کہلاتی تھی۔ ہدایت علی کا یہ مضمون جب لکھا گیا تو اس وقت ان کی فوجی ملازمت کو بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ ان کے پاس پندرہ برس کا تجربہ تھا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُن کی خاندانی سپاہیانہ خدمات پر نظر کر کے ان سے ۱۸۵۷ء کے واقعات پر رائے طلب کی گئی ہو گی۔ دوسری جانب وہ ملتان کے محاصرے اور فتح، پنجاب میں مختلف مہمات اور پٹنہ، بہار میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کے دوران انگریزی حکام کا اعتماد جیت چکے تھے۔ ان وجوہات کے سبب نظرِ انتخاب ان پر پڑی ہو گی۔

شیخ ہدایت علی نے ایک سپاہی کے نقطۂ نظر سے، جس کے علم میں اپنے خاندانی پس منظر کے سبب سے پہلے کی معلومات

بھی تھیں، ۱۸۵۷ء میں پیش آنے والے واقعات کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ پس منظر کی تلاش میں ۱۸۳۳ء میں کابل کی مہمات کے ذکر سے اپنا تجزیہ شروع کرتے ہیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنگال آرمی کے سپاہی شاہ شجاع کو تخت نشینی کی جنگ میں مدد کو بھیجے گئے تھے۔ ہندو سپاہیوں نے جب دریائے سندھ عبور کیا تو مذہبی اعتقادات کا تحفظ اور تاریخی واقعات ان کے ذہن میں تازہ ہو گئے۔ سپاہیوں کو معلوم تھا کہ جب راجا مان سنگھ، افغانوں سے لڑنے کو دریائے سندھ کے پار اترے تو انھوں نے برہمنوں کو اپنا اپنا جنیو اُتارنے کا کہا اور دیگر مذہبی نشانات بھی ہٹانے کا کہا گیا جو ان کے لیے ناقابلِ قبول تھا۔ نیز سپاہیوں کو بتایا کہ دریائے سندھ کے اُس پار ہندو مذہب باقی نہیں رہتا۔ انھی اسباب کو ذہن میں رکھ کر ۱۸۳۳ء کی مہم کے سپاہی غصے میں تھے۔

اسی طرح جب ۳۹-۱۸۳۸ء کی افغان مہم کے دوران جب ہندوستانی سپاہی افغانستان پہنچے تو سخت سردی کے باعث ان کا نہانا کارِ دشوار ہوتا گیا کیوں کہ وہ اس سردی کے عادی نہیں تھے۔ دوسری طرف ہندو مذہب میں کھانا تیار کرنے اور کھانے سے قبل نہانا اور دیگر رسومات کا ادا کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ سخت سردی کے سبب اس امر کا پورا کرنا اُن کے لیے مشکل ہو گیا۔ اسی طرح ہندو سپاہیوں کو روز مرہ اور کھانے پینے کا سامان بیش تر مسلمان دکانداروں سے خریدنا پڑتا تھا۔ اس سبب سے بھی ان میں بے چینی کے آثار بڑھتے جاتے تھے۔ پھر جب سخت سردی کے سبب کمانڈنگ آفیسرز کی طرف سے ہر سپاہی کو بھیڑ کی کھال سے بنی ہوئی پوستین دی گئی تو یہ امر ہندو سپاہیوں پر شاق گزرا۔ کیوں کہ مردہ جانور کی کھال کا چھُونا ان کے مذہب میں ممنوع تھا۔ لیکن ہندو سپاہیوں نے اپنے غصے اور بے چینی کا اظہار بوجوہ وہاں پر نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر یہاں بغاوت کی گئی اور وہ کامیاب ہو بھی گئی تو افغان انھیں مسلمان بنا لیں گے۔ نیز ابھی وہ اپنے وطن سے دور بھی ہیں[۲۱]۔

ہدایت علی بتاتے ہیں کہ بے چینی اور غصے کے جذبات مسلمان سپاہیوں میں بھی تھے۔ انھیں اپنے ہم مذہبوں سے لڑنا پڑ رہا تھا اور اس بات سے قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ جب یہ بات ایک مسلمان صوبیدار نے سرِعام کہی تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مسلمان سپاہی اس بات پر بھی خوش ہوتے تھے کہ کس طرح وہ انگریز افسران کا حکم نہیں مانتے اور نشانے پر گولیاں نہیں چلاتے۔ افواج کی ہندوستان واپسی پر ہندو سپاہیوں کے ہم مذہب سپاہی ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے کہ وہ افغانستان سے ہو کر آئے ہیں[۲۲]۔

پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ چونسٹھویں نیٹو انفنٹری (64th Native Infantry) میں بغاوت کے آثار پھوٹ پڑے، جب وہ فتحِ سندھ کی مہم میں سکھر پہنچی۔ اس مرتبہ تنخواہوں پر عدم اطمینان اس کی وجہ بنی۔ ساتویں لائٹ کیولری (7th Light Cavalry) اور دیگر رجمنٹس میں بھی یہ آثار نمودار ہوئے۔ اس پر چند ایک سپاہیوں کو پھانسی دینے اور برطرف کرنے کے سوا حکومت نے زیادہ سنجیدگی نہیں دکھائی۔ اسی طرح پنجاب کی فتح میں شامل رجمنٹوں کے سپاہیوں کو تنخواہ کے ساتھ دگنا بٹّا ملنا شروع ہو گیا مگر جب ان کی

مدت قیام مکمل ہو گئی اور دیگر مقامات پر ان کا تبادلہ کر دیا گیا تو یہ اضافی بٹا انھیں ملنا بند ہو گیا۔ اس سبب سے بھی بہت سے سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہوئی۔ امرتسر میں چھیاسٹھویں نیٹو انفنٹری (66th Native Infantry) میں بغاوت پیدا ہو گئی۔ اسی طرح بائیسویں اور بتیسویں نیٹو انفنٹری میں بھی ایسے ہی جذبات پیدا ہوئے۔

یہاں ہدایت علی، ان واقعات پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکام نے بغاوت کرنے والے سے درست طور پر نمٹا، کیوں کہ جب کوئی سپاہی ایک یا زائد مرتبہ کسی نافرمانی کا حصہ بنتا ہے تو وہ فوج کی نوکری کے قابل نہیں رہتا۔ نیز وہ یہ تجزیہ بھی کرتے ہیں کہ بہت سے واقعات کمانڈنگ آفیسرز کی جانب سے حکام بالا کو بتائے ہی نہیں گئے اور سب اچھا کا منظر نامہ پیش کیا گیا۔ اس سبب سے بھی صورت حال کا درست ادراک نہیں کیا جا سکا[۲۳]۔

اس کے بعد ہدایت علی اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ابھی تک ریاست کو ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے درست اسباب اور رعایا کی حکومت کے بارے میں رائے کا درست طور پر اندازہ نہیں ہے۔ یہاں سے وہ ۱۸۵۷ء کے اسباب نکات وار گنوانا شروع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے مختلف واقعات کی روشنی میں اشرافیہ، سرداروں اور بالائی طبقے میں ناراضی اور باغیانہ جذبات کے پیدا ہونے کے بارے میں اپنا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ جیسے سہارن پور میں ۱۸۴۹-۵۰ء میں جب بڑے پیمانے پر ایک شفاخانہ (ہسپتال) قائم کیا گیا تو علاج کروانے کی متمنی مقامی آبادی پر کئی ایک طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ جس سے عام لوگوں اور سر کردہ افراد میں بڑے پیمانے پر عدم اطمینان پھیلا[۲۴]۔

سہارن پور کے بعد وہ شاہجہان پور کے تجربات بیان کرتے ہیں کہ جب ان کی رجمنٹ وہاں مقیم تھی، تو انھیں شہر کے سر کردہ افراد سے ملنے کا موقع ملتا تھا۔ اس تبادلہ خیال میں انھیں معلوم ہوا کہ عدالتوں سے سزا یافتگان کو جب جیل بھیجا جاتا ہے تو قواعد کے مطابق ان کی ڈاڑھی مونچھ قطع کر دی جاتی ہے۔ یہ ان کے لیے تذلیل کی بات ہے۔ اسی طرح جیل میں ہندو، ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھاتے تو ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کے ہاتھ کا پکا کھانا ہو۔ وہ ہر کسی کے ہاتھ کا پکا کھانا نہیں کھاتے۔ تیواڑی، دُوبے، چوبے، پانڈے، مشرا، اُپادھیائے، شکلا، اگنی ہوتری؛ اگرچہ سب برہمن ہیں لیکن ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے۔ اسی باعث جب یہ قیدی جیل سے چھوٹتے ہیں تو ان کی برادری کے لوگ انھیں قبول کرنے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ امر بھی بے چینی بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔

ہدایت علی مسیحی مبلغین (Missionaries) کی سرگرمیوں پر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ جب مبلغین نے کم عمری کی شادی، ختنے، پردے جیسے معاملات پر ایسی آرا ظاہر کیں جو یہاں کی آبادی کے موافق نہیں تھیں تو اس امر کا بھی رعایا پر منفی اثر مرتب

ہوا[۲۵]۔

ہدایت علی کے نزدیک ریاست اوَدھ کی ضبطی بھی ۱۸۵۷ء کا ایک اہم سبب تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ پورے ہندوستان میں یہ خیال عام تھا کہ جب کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ ریاستِ اوَدھ کو ضبط نہیں کیا جائے گا تو یہ ضبطی کیوں عمل میں لائی گئی؟ جب کہ ماضی میں کئی ایک مواقع پر ریاستِ اوَدھ انگریز انتظامیہ کی مدد کر چکی تھی۔ دوسری جانب اس وعدہ خلافی کے باوجود بادشاہِ اوَدھ نے اپنی افواج اور رعایا کو حکم دیا کہ انگریزی افواج کے خلاف کسی بھی ردِ عمل سے گریز کیا جائے۔

جن ایام میں واجد علی شاہ، معزول بادشاہِ اوَدھ، ریاست کی ضبطی کے بعد اس حکم کے خلاف مرافعہ دائر کرنے کلکتہ جا رہے تھے اور کان پور میں مقیم تھے، انھی ایام میں ہدایت علی بھی پنجاب جاتے ہوئے چھ روز کے لیے کان پور میں رکے تھے۔ وہ وہاں کے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ان ایام میں اوَدھ کے حکام اور دیگر جس قدر لوگوں سے ملا، سب بہ یک زبان ضبطیِ ریاست کے خلاف تھے اور بادشاہ سے ہم دردی رکھتے تھے[۲۶]۔ کان پور ہی میں انھیں اپنے ایک دوست سپاہی شیخ عبد الرحیم، جو دوسری نیٹو انفنٹری کی دوسری کمپنی میں صوبیدار تھے، معلوم ہوا کہ ان کی رجمنٹ میں سپاہیوں کو ریاست اوَدھ کی ضبطی پر عدم اطمینان تھا اور وہ کھل کر بات کرتے تھے کہ اب انگریزوں پر ان کا اعتماد باقی نہیں رہا[۲۷]۔ نیز ان کا خیال ہے کہ بغاوت کا اصل مرکز کلکتہ تھا، جہاں بادشاہِ اوَدھ مقیم تھے[۲۸]۔

اوَدھ پر ان خیالات کا اظہار کرنے کے بعد ہدایت علی بارک پور، کلکتہ، کان پور اور پنجاب میں پھوٹ پڑنے والی بغاوتوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ پنجاب کے حالات بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہاں سکھ اور مسلمان سپاہیوں کو بھرتی کرتے وقت یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ ان کی مذہبی علامات و رسوم سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن بعد میں انھیں ڈاڑھی قطع کرنے کا کہا گیا۔ حکم عدولی کرنے والے سپاہیوں کو فوج سے برخاست کر دیا گیا۔ اس امر سے کمانڈنگ سپاہیوں کا آفیسرز پر اعتبار باقی نہ رہا[۲۹]۔

اس مقام پر ہدایت علی سوَر اور گائے کی چربی والے کارتوسوں کے سبب پھیلنے والی بے چینی کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ ہدایت علی نے لکھا ہے کہ حکومت نے فوج میں جب نئی انگلش رائفل متعارف کروائی جو ۹۰۰ میٹر تک مار کر سکتی تھی اور اس کے کارتوس مشق کے لیے بھیجے گئے تو مشقوں کے لیے تین مقامات ڈم ڈم، انبالہ اور سیال کوٹ؛ مخصوص کیے گئے۔ ڈم ڈم میں مشق کرنے والے سپاہیوں کو، جو زیادہ تر برہمن تھے، فورٹ ولیم کے ایک خلاصی کے ذریعے خبر پہنچی کہ رائفل میں استعمال ہونے والے کارتوس سوَر اور گائے کی چربی سے تیار کیے گئے ہیں۔ یہاں سے یہ خبر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ ڈم ڈم سے سپاہیوں نے پورے ہندوستان میں خطوط بھیجے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ حکومت ہم سب کو عیسائی بنانا چاہتی ہے۔ بہرام پور میں انیسویں نیٹو انفنٹری نے پہلے پہل

بغاوت کی اور اس بغاوت کی اطلاع میرٹھ پہنچی تو وہاں بھی یہی جذبات پیدا ہو گئے۔ اگر چہ کمانڈنگ آفیسرز نے سپاہیوں سے کہا کہ انھیں نئی رائفل اور کارتوس جاری نہیں کیے جائیں گے لیکن سپاہیوں کو ان کی بات پر اعتبار نہ تھا[۳۰]۔

اس کے بعد میرٹھ کے سپاہیوں کی دہلی پر چڑھائی اور اس دوران میں مغل بادشاہ کے کردار کو اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ ہدایت علی نے اپنے اس محضر میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کی دو نوعیت کی وجوہات حکومت کے گوش گزار کی ہیں۔ کچھ وجوہات سیاسی و انتظامی و معاشرتی امور سے متعلق ہیں، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب کہ کچھ خالص سپاہیانہ نقطۂ نظر سے بیان کی گئی ہیں، انھیں ذیل میں دیکھا جا سکتا ہے:

الف: افواج میں اعلیٰ ذاتوں سے تعلق رکھنے والوں کو بھرتی کرنا درست نہیں تھا۔ نچلی ذاتوں کے لوگوں کو بھی اسی تناسب سے بھرتی کرنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ نچلی ذاتوں کے سپاہی، جہاں انھیں فرائض انجام دینے کا کہا جائے، اعلیٰ ذاتوں کے سپاہیوں کے مقابلے میں حکم عدولی نہیں کرتے۔ اس باعث فوج میں تمام ذاتوں کے سپاہیوں کا ملا جلا ہونا بہت ضروری ہے[۳۱]۔

ب: ملازمت کے دورانیے کو ترقی کی بنیاد بنانا درست نہیں تھا۔ اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر سپاہیوں کو ترقی دی جانی چاہیے۔ سپاہی کہتے تھے کہ ہمیں جب ترقی ملے گی جب سر کے بال سفید ہو چکے ہوں گے اور منہ میں دانت نہیں رہیں گے۔ اس باعث وہ محض تنخواہ لیتے تھے اور ذمہ داریاں ادا کرنے میں دل چسپی نہیں لیتے تھے[۳۲]۔

ج۔ سنتھال[۳۳] قبائل کے افراد سب سے اعلیٰ سپاہی ثابت ہو سکتے ہیں۔ انھیں کسی سے لڑنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا، اگر ان کی مناسب تربیت کا انتظام کر دیا جائے[۳۴]۔

د۔ ہندوستانی سپاہی صرف پولیس یا ملیشیا Militia [نیم فوجی دستوں] کے لیے مناسب ہیں کیوں کہ وہ اپنے وطن کے سوا کسی اور جگہ پر فرائض انجام دینے سے گریز کرتے ہیں۔ حکومت کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی ایک بھی رجمنٹ عدم اطمینان ظاہر کیے بغیر کسی سفر پر روانہ نہیں ہوئی[۳۵]۔

ہ۔ پہلے انگریز افسران مقامی عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال لیا کرتے تھے، اس تعلق سے انھیں مقامی افراد کی عادات و جذبات کا اندازہ ہوتا رہتا تھا۔ بیش تر معلومات ملتی رہتی تھیں۔ بعد میں انگریزی افسران نے صرف یورپی خواتین سے شادیاں کرنا شروع کر دیں اور مقامی افراد سے ان کا رابطہ پہلے کی طرح نہ رہا۔ ہدایت علی اوّل الذکر طریقے کو جاری کرنے کی تجویز نہیں دیتے لیکن اس کے فوائد ضرور بیان کرتے ہیں[۳۶]۔

ہدایت علی کے اس محضر کا اختتام اس پیش کش پر ہوتا ہے کہ اگر گورنر جنرل کچھ مزید جاننا چاہیں تو وہ حاضر ہیں۔ اگر کورٹ آف ڈائریکٹر بھی محولہ بالا گزارشات کی روشنی میں مزید پوچھنا چاہے تو انھیں لندن جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔ نیز

مضمون اس فقرے پر ختم ہو رہا ہے: ’’میں نے سب سچ لکھا ہے کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ برطانوی سچ سے پیار کرتے ہیں‘‘[۳۷]۔

ہدایت علی اپنے اس محضر میں حکومتِ انگلشیہ کے مکمل وفادار نظر آتے ہیں۔ خود ان کے بیان کردہ واقعات سے نیز ان کے متعلق لکھے گئے معاصر مآخذ سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ انھیں صوبیدار کے عہدے سے اعزازی لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک ترقی دینا اور کمانڈر ان چیف کا اے ڈی سی مقرر کرنا؛ اس امر کو مزید ثابت کرتا ہے۔ ہدایت علی محض وفادار ہی نہیں ہیں بلکہ ہندوستانیوں کی بود و باش، عادات و رسوم، تہذیب و تمدن کے بارے میں ان کی آرا، انگریز حکام کی آرا کا پرتو ہی ہیں۔ وہ ہندوستانیوں کو اَن پڑھ، ضدی اور متعصب جانتے ہیں جو کسی نئی بات، خیال، لباس کو خوش آمدید نہیں کہتے بلکہ اپنے پرانے تصوّرات پر اڑے رہتے ہیں۔ اپنے مذہب کو ہی سب کچھ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی بھی نئی بات کو اپنانے سے ان کا مذہب خطرے میں پڑ جائے گا۔ لکھتے ہیں:

> حکومت خوب جانتی ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کی عام اکثریت اَن پڑھ اور انتہائی متعصب ہے اور جتنے زیادہ اَن پڑھ ہوں، اس قدر متعصب ہوتے ہیں۔ وہ کتاب و ادب سے بیگانہ ہیں اور یہی سوچتے ہیں کہ جو کچھ ان کے باپ دادا نے ان سے پہلے کیا، وہ ہی سب سے بہتر ہے۔ مثال کے طور پر، وہ وہی لباس پہنتے ہیں جیسا ان کے آباؤ اجداد ان سے پہلے پہنتے تھے۔ تصوّر کریں کہ اگر وہ انگلش طرز کا کوٹ یا ٹراوزر پہنتے ہیں تو یہ عیسائی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کوئی نئی بات یا کوئی ایسی بات جسے وہ سمجھ نہیں پا رہے، کسی نہ کسی طریقے سے ان کے مذہب پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ ان کی ایسی حماقتوں سے ہی گزشتہ انتشار اور بربادی کو سامنے آنے کا موقع ملا[۳۸]۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ ہندوستانیوں کو چاپلوس اور خوشامدی بھی گردانتے ہیں جو اپنی اصلی رائے انگریز حکام کے سامنے نہیں رکھتے ہیں اور کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ دوسری جانب وہ انگریزوں کو غیر متعصب جانتے ہیں اور انھیں مقامی باشندوں کے مذہب میں دخل اندازی نہ کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ کان پور کے نانا صاحب اور بہادر شاہ ظفر کے متعلق بھی ان کی رائے انگریز حکام کے زیرِ اثر تشکیل پاتی ہے۔ جیسا کہ:

> نانا صاحب، جو اپنے دھوکے اور ظلم کے لیے مشہور ہے... جب کان پور کے فوجیوں نے سنا کہ دہلی میں یہ کچھ ہو رہا ہے، انھوں نے بغاوت کر دی اور دہلی کی طرف کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن غدار نانا صاحب نے ہتھیار اٹھا کر انھیں اپنے ساتھ رہنے پر آمادہ کیا۔ اس ظالم کی طرف سے کیے گئے ظالمانہ اعمال اب دنیا کے لیے

پیٹنٹ بن چکے ہیں۔ اس بدبخت کا خیال تھا کہ حکومتوں کی تبدیلی سے وہ بااثر اور بارسوخ بن جائے گا۔ اسی نے سپاہیوں کو تمام یورپیوں، ان کی بیویوں اور ان کے چھوٹے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ سپاہی اپنے افسروں کو مار ڈالتے اگر نانا صاحب نے انھیں ایسا کرنے پر اکسایا نہ ہوتا لیکن ہندوستان میں ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے ساتھی کر رہے ہوتے ہیں۔[۳۹]

بہادر شاہ ظفر کے بارے میں مختصر لکھا ہے لیکن جو رائے ظاہر کی ہے وہ براہ راست انگریز حکام ہی کی رائے کے زیرِ اثر ہے:

میرٹھ کے سپاہیوں نے بغاوت کی اور جتنے افسروں کو قتل کر سکتے تھے، قتل کیا۔ دہلی کے بادشاہ کے پاس جا کر ان کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے بتایا کہ پوری فوج انگریزوں کی اطاعت چھوڑ کر چکی ہے اور اب اس کے اختیار میں ہے۔ 'تو اب، ' مقامی افسروں نے کہا، 'آپ ہمارے منتخب کردہ اور موروثی بادشاہ ہیں، حکم دیں اور ہم ان کافر انگریزوں سے لڑنے کے انتظامات کریں گے۔' دہلی کے بادشاہ کا دنیا کے ساتھ تعامل بہت کم ہے اور مقامی سپاہیوں کے ساتھ تو اب اور بھی کم ہے، غداری کے مقاصد کے ساتھ، انھوں نے سپاہیوں کی باتوں پر آسانی سے یقین کیا اور فوراً ہی اپنے آپ کو بادشاہ قرار دے دیا اور جنگ کی تیاریاں فوراً شروع ہو گئیں۔[۴۰]

ہندوستانیوں کو متعصب، ضدی اور جاہل کہنا، ہدایت علی کو خاصا مرغوب ہے۔ مختلف مقامات پر وہ بار بار اس رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ دو مثالیں دیکھیے:

حال ہی میں برطانوی حکومت انگریزی رائفل کو مقامی سپاہیوں میں متعارف کروانا چاہتی تھی۔ اس کی سادہ سی وجہ تھی کہ یہ رائفل درستی کے ساتھ نو سو گز تک مار کر سکتی ہے اور اس بنا پر مسکٹ (Musket) سے کہیں بہتر ہے۔ یقیناً یہ رائفل حکومت نے جنگ میں سپاہیوں کی جان بچانے کے مقصد سے متعارف کروائی تھی لیکن اس ملک کے باشندے ایسے جاہل، متعصب اور احمق ہیں کہ وہ کبھی بھی یقین نہیں کریں گے کہ کوئی چیز ان کی بھلائی کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔[۴۱]

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حکومت کی طرف سے جو بھی احکامات جاری ہوئے ہیں، وہ اس ملک کے سرکردہ افراد اور عوام کے فائدے کے پیش نظر جاری کیے گئے ہیں لیکن ہندوستان کے لوگ اتنے متعصب اور ضدی ہیں کہ ان کو سوائے اس کے کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ ان سے پہلے ان کے باپ دادا یہ کچھ کیا کرتے تھے۔ اور یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مقامی لوگ کذب بیان ہوتے ہیں اور دوغلے ہوتے ہیں۔ افسر کے سامنے کچھ ظاہر کرتے ہیں اور کیمپ میں کچھ۔[۴۲]

جب کہ ان کی نظر میں انگریز غیر متعصب اور انصاف پسند ہیں:

شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب سے انگریز ہندستان میں آئے ہیں وہ ہمیشہ مذہب اور لوگوں کے تعصبات میں دخل اندازی نہ کرنے میں سب سے زیادہ خاص رہے ہیں[۴۳]۔

نیز وہ سچ کو اس لیے بھی اچھا سمجھتے ہیں کہ انگریز سچ سے پیار کرتے ہیں[۴۴]۔

ہدایت علی کے اس محضر کا اسی نوعیت کی دیگر دست یاب تحریروں سے تقابل بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ مضمون کے آغاز میں ذکر ہوا، سر سید احمد خان کے علاوہ بھی دیگر کچھ لوگوں نے ۱۸۵۷ء کے اسباب پر حکومتی سوالات کے جوابات قلم بند کیے تھے لیکن ان میں سے سب سے معروف تحریر سر سید احمد خان ہی کی ہے۔ سر سید کے اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون کا تقابل ہدایت علی کے محضر سے کیا جائے تو چند ایک اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ دونوں اصحاب، انگریزی حکومت کے ملازمین میں شامل تھے۔ سر سید کا تعلق عدالتی و انتظامی محکموں سے تھا جب کہ ہدایت علی فوجی ملازمت میں تھے۔ سر سید سے قبل ان کے خاندان کا کوئی فرد انگریزی حکومت میں ملازم نہیں رہا تھا لیکن ان کا خاندان علمی و معاشرتی حوالے سے دہلی کے نمایاں خاندانوں میں سے ایک تھا۔ ہدایت علی تین پشتوں سے انگریزی فوج میں ملازم تھے۔ اس طرح قریب ایک صدی کا سپاہیانہ تجربہ اور انگریز حکام سے تعلق ان کی ذات میں جمع تھا۔ پھر ۱۸۵۷ء میں سر سید اور ہدایت علی، دونوں نے انگریز حکام اور فوجیوں کی زندگیاں بچائی تھیں، اپنے فرائض سے بڑھ کر انگریزوں سے وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ حکومت کے مفادات کے نگہبان رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں اصحاب اپنے اپنے دائرے میں متعلقہ حکام کی نظروں میں اہمیت رکھتے تھے۔ اگرچہ عہدے، دائرہ اختیار اور معاشرتی و سماجی نفوذ و اہمیت کے اعتبار سے سر سید، ہدایت علی سے کہیں آگے نظر آتے ہیں۔

ہدایت علی نے اپنے محضر میں بنیادی طور پر تین امور کو مرکزی اہمیت دی ہے۔

الف: اشرافیہ / سرکردہ افراد میں بے چینی کے اسباب۔

ب: عام رعایا میں مسیحی مبلغین کی سرگرمیوں اور خیالات کے خلاف رنج و غصہ

ج: ہندوستانی سپاہیوں میں ۱۸۵۷ء سے قبل ۱۶ برس کی بے چینی و بغاوت کی تاریخ و تجزیہ۔

جب کہ سر سید کے ہاں پانچ عنوانات کے تحت تجزیہ مکمل کیا گیا ہے۔ سر سید نے انھیں پانچ اصولوں کا نام دیا ہے، جن کی تفصیل یوں ہے:

اوّل: غلط فہمی رعایا یعنی برعکس سمجھنا تجاویزِ گورنمنٹ کا

دُوم: جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقہ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات

کے مناسب نہ تھے یا مضرت رسانی کرتے تھے۔

سوُم: ناواقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور ان مصائب سے جو ان پر گزرتی تھیں اور جن سے رعایا کا دل پھٹا جاتا تھا۔

چہارم: ترک ہونا ان امور کا ہمارے گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجالانا ہمارے گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لیے واجب اور لازم تھا۔

پنجم: بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی۔[۴۵]

سر سید کے ہاں اسبابِ ۱۸۵۷ء کا ماہرانہ تجزیہ مبنی بر استدلال ملتا ہے۔ وہ اپنے تجربے، مشاہدے اور مختلف پس منظر کے لوگوں سے تبادلہ خیال کی روشنی میں ۱۸۵۷ء کی متعدد وجوہات کی جانب حکام کی توجہ منعطف کرواتے ہیں۔ ہدایت علی، ان کے مقابلے میں اتنا وسیع حلقہ اثر نہیں رکھتے نیز اپنی ملازمت کی نوعیت کے سبب سے انھیں انتظامی و معاشرتی وجوہات کا گہرائی میں علم نہیں ہے۔ ہدایت علی انتظامی امور اور معاشرتی مسائل کی جانب ضرور توجہ دلاتے ہیں لیکن اختصار کے ساتھ۔ البتہ ہدایت علی نے اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں ہندوستانی سپاہیوں اور انگریز حکام کے تعلق سے صورت حال کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ سر سید کے ہاں اس طرح نہیں ملتا۔ ہدایت علی نے نہ صرف ہندوستانی سپاہیوں کے طرزِ عمل سے متعلق تجربات بیان کیے ہیں بلکہ اصلاح احوال کے لیے تجاویز بھی دی ہیں۔ اس پہلو سے ہدایت علی سے قبل یا بعد کسی ہندوستانی سپاہی نے ایسی تجاویز شاید پیش نہ کی ہوں۔ سر سید کے ہاں عمومی طور پر ہندوستانی سپاہیوں کے طرزِ عمل پر اظہار ضرور ملتا ہے لیکن وہ اس ذیل میں کسی پس منظر کی جانب اشارہ نہیں کرتے اور اختصار کے ساتھ اس حصے سے گزر جاتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، ہدایت علی اس محضر میں انگریز حکومت کے کامل وفادار نظر آتے ہیں لیکن دوسری جانب دل چسپ امر ہے کہ ہدایت علی نے انگریزی حکومت سے وفاداری کا اظہار ضرور کیا ہے لیکن برکاتِ سلطنتِ انگلشیہ نہیں بیان کی ہیں۔ البتہ انتظام و انصرام کے عمومی و خصوصی نقائص کی جانب ضرور توجہ دلاتے گئے ہیں۔ یہ امر ہدایت علی اور سر سید؛ دونوں میں مشترک ہے۔

کچھ بیانات کے دونوں تجزیہ کاروں کے ہاں تقریباً ایک ہی طرز پر بیان ہونے سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ اس دور میں اصل میں یہ جذبات ہندوستان بھر میں عمومیت کے ساتھ گردش کر رہے تھے اور مختلف حلقوں میں اس نوعیت کے خیالات یکساں طور پر زیرِ بحث آتے تھے۔ جیسے کہ جیلوں میں قیدیوں کے رہن سہن، کھانے پینے کے طور طریقوں میں یگانگت لانے سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو بے چینی پیدا ہوئی؛ اس کا اظہار سر سید نے خاصا مختصر کیا ہے[۴۶]۔ جب کہ ہدایت علی نے اس نکتے کو ذرا

زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سر سید، ریاستِ اوَدھ کی ضبطی کو ۱۸۵۷ء کے اسباب میں شمار کرنے میں تامل کرتے ہیں[۴۷] ہدایت علی اس امر کو بغاوت و بے چینی کے اہم اسباب میں گردانتے ہیں۔ دونوں اصحاب مسیحی مبلغین کی سرگرمیوں کے اثرات کا تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ سر سید کے نزدیک ۱۸۵۷ء کے اسباب تلاش کرنے کے لیے ان کے اس مضمون کا بنیادی مقصد گورنمنٹ کی عمدہ خیر خواہی تھی۔ نیز ان کا خیال تھا کہ وہ شاید واحد ہندوستانی ہیں جو اس بغاوت کے اسباب تلاش کرنے میں مقامی باشندوں کا نقطہ نظر بیان کر رہے ہیں[۴۸]۔

اس کے علی الرغم ہدایت علی یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تک حکومتِ برطانیہ کو معلوم ہی نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کی اصل وجوہات کیا تھیں۔ لکھتے ہیں:

> مجھے پورا یقین ہے کہ بغاوت کی اصل وجہ اور برطانوی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کے عمومی احساسات، ریاست کو ابھی تک اچھی طرح معلوم نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں آزادانہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں[۴۹]۔

ذیل میں ہدایت علی کے محضر کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ متن کا پابند رہے۔ ترجمے کو نئے سرے سے پیراگراف میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نیز ضروری رموزِ اوقاف کا اضافہ بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔

بنگال آرمی اور بنگال پریزیڈنسی میں گزشتہ بغاوت سے متعلق چند باتیں،
شیخ ہدایت علی، صوبیدار / سردار بہادر، بنگال سکھ پولیس بٹالین؛ زیرِ کمان: کیپٹن تھامس ریٹرے،
جنھوں نے اس محضر کا اردو سے ترجمہ بھی کیا۔

جہاں تک میری دسترس میں ہے، میں اس بات کی وضاحت کرنا اپنا فرض گردانتا ہوں کہ حال ہی میں ہندوستان کے طول و عرض میں مقامی سپاہیوں اور بہت سے سرداروں یا سرکردہ افراد کی جانب سے وسیع پیمانے پر ظاہر ہونے والے اس عدم اطمینان کا کیا سبب ہوا؟

برطانوی حکومت اور پوری دنیا کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ قدیم ہندوستان تقریباً مکمل طور پر ہندو مذہب پر عامل افراد سے آباد تھا اور بہت سال بعد مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا؛ نیز یہ ضرب المثل کی حد تک معروف

ہے کہ ہندو مذہب کے معاملے میں بے عقل ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی دوسرا مذہب ان کے برابر نہیں ہے۔

جہاں تک میں سمجھا ہوں، ہندوستانی سپاہیوں کی طرف سے برطانوی حکومت کے خلاف عدم اطمینان کی اوّل اوّل علامات ۱۸۳۳ء میں اس وقت ظاہر ہوئیں جب ہندوستان سے فوج کو کابل بھیجا گیا۔ جب اس فوج نے اٹک کے مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا تو سپاہی ناراض ہونے لگے، بڑبڑانے لگے اور غصے میں آ گئے۔ انھوں نے سن رکھا تھا کہ جب راجا مان سنگھ، دہلی کے سابق شہنشاہوں میں سے ایک کے وزیر، نے افغانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے دریائے سندھ کو پار کیا، تو انھوں نے تمام برہمنوں سے اُن کو اپنا جنیو، برہمنوں کا پہنا ہوا مقدس دھاگہ، اور دیگر مذہبی علامات اتارنے پر مجبور کیا۔ اور اپنے تمام آدمیوں سے کہا کہ ہندو مذہب، سندھ کے اس پار باقی نہیں رہتا۔ مان سنگھ نے سندھ کے دوسرے کنارے پر ایک مندر بنایا اور برہمنوں کو ہدایت کی کہ یہاں وہ اپنا جنیو ترک کر دیں۔

یہ امر تمام ہندوؤں پر، خواہ وہ پڑھے لکھے ہوں یا اَن پڑھ، اچھی طرح ظاہر ہے کہ ہندوؤں کی رسومات میں سے ایک یہ ہے کہ جب تک وہ نہا نہ لیں اور دیگر مذہبی رسوم نہ ادا کر لیں، تب تک وہ کھانا پکاتے یا کھاتے نہیں ہیں۔ جب ۳۹-۱۸۳۸ء میں فوج افغانستان پہنچی تو شدید سردی کی وجہ سے ہندوؤں کو نہانا ترک کرنا پڑا اور دیگر وہ رسومات بھی جو ان کا مذہب ضروری گردانتا تھا؛ اس کے وہ عادی نہیں تھے۔ وہ اپنے روزمرہ کے کھانے کے لیے بازار میں جو کچھ بھی خریدتے تھے، وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے لینا پڑتا تھا کیوں کہ کابل میں، چند مستثنیات کے ساتھ، تمام تاجر پیشہ مسلمان ہیں۔ ہندو، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، ان امور پر مجبور تھے کہ وہ اپنے مذہب کی بعض رسومات سے پرہیز کریں (جیسے غسل کرنا، جو ہندو کے لیے تقریباً اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ روزمرہ کا کھانا) اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے روٹی حاصل کرنا، اس خیال کے ساتھ کہ وہ اپنا مذہب کھو چکے ہیں اور مسلمان ہونے پر مجبور ہیں؛ دریں وجوہات وہ بہت زیادہ غیر مطمئن اور بیزار ہو گئے۔

جب کابل میں سردیوں کا آغاز ہوا تو ہندوستانی سپاہیوں کو برف باری اور سردی کا سامنا کرنا پڑا۔ کمانڈنگ آفیسر نے ان کی حالت پر رحم کھا کر ہر آدمی کو اندر سے پہننے کے لیے بھیڑ کی کھال سے تیار کردہ ایک ایک پوستین دی۔ اس وقت سپاہیوں نے پوستین کے ملنے پر بظاہر خوشی کا اظہار کیا لیکن ان کے دلوں میں بہت زیادہ واقعی بہت ناراضی تھی کیوں کہ کمترین ذات کے سوا کوئی ہندو مردہ جانور کی کھال کو ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا۔ صرف اعتراض کے ڈر سے وہ انھیں پہننے پر رضامند ہوئے۔ انھوں نے سوچ بچار کی اور آپس میں کھل کے کہا: 'ہمیں اپنے غصے اور

بے اطمینانی کا کھل کے مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم کبھی بھی ہندوستان واپس نہیں جا سکیں گے، اور ہم اس ملک میں رہ تو سکتے نہیں۔'

اس لیے انھوں نے کسی مناسب موقعے پر ظاہر کرنے کے لیے اپنا غصہ اور عدم اطمینان دبائے رکھا۔ انھوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر وہ اس ملک میں بغاوت کر کے تمام انگریزوں کو مار ڈالیں، تب بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیوں کہ افغان انھیں مسلمان ہونے پر مجبور کر دیں گے۔ ۲۷ رِویں اور ۵۴ رِویں نیٹو انفنٹری کے بہت سے سپاہی جو زخمی اور قیدی تھے، مسلمان بنا دیے گئے تھے۔

یہاں کسی بھی شریف انگریز کو یہ نہ سوچنے دیں کہ یہ سچ نہیں ہے کیوں کہ وہ اس وقت ان امور سے واقف نہیں تھے۔ ہندوستان کا رہنے والا شاذ و نادر ہی اپنے افسر کے سامنے اپنے صحیح خیالات ظاہر کرتا ہے۔ وہ صرف وہی کچھ کہتا ہے جو اس کے افسر کو خوش کر سکے۔ سپاہیوں نے اپنے اصل خیالات تب تک مخفی رکھے جب تک کہ واپس اپنے مستقر پر نہ آ گئے اور ساتھیوں تک نہ پہنچ گئے۔

جب انگریز ۱۸۴۲ء میں فیروز پور واپس آئے تو میں اپنی رجمنٹ ۸ ویں نیٹو انفنٹری کی لائٹ کمپنی، جس میں میرے والد بھی صوبیدار تھے، کے ساتھ وہاں تھا۔ ایک رجمنٹ میں آٹھ لائٹ کمپنیاں تشکیل دی گئیں اور افغانستان جانے کے لیے احکام کی منتظر تھیں، اگرچہ انھیں کبھی بھیجا نہیں گیا۔ تب میں باقاعدہ بھرتی نہیں ہوا تھا اور تقریباً سبھی رجمنٹوں میں جایا کرتا تھا، جو ان دنوں کابل سے واپس آ چکی تھیں۔ ان رجمنٹوں میں بہت سے دوست اور جاننے والے تھے۔ تمام رجمنٹوں کے سپاہی کابل بھیجے جانے پر ناخوش تھے اور کہتے تھے کہ کابل جا کر جانوروں کی کھالیں پہننے پر مجبور ہونے، نہانے اور دیگر مذہبی رسومات کے ترک کرنے، سے وہ اپنے مذہب سے خارج ہو گئے ہیں۔ نیز یہ ملک ہندوؤں کی گُوں کا نہیں کہ وہاں سخت سردی پڑتی ہے اور ساری آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔

رجمنٹوں کے مسلمان ناراض تھے کیوں کہ ان کا کہنا تھا کہ برطانوی حکومت نے انھیں اپنے ہم مذہبوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا، جو قرآن کی رُو سے منع ہے۔ یہ کہنے پر ۲۷ رِویں نیٹو انفنٹری کے ایک صوبیدار کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ مسلمان آپس میں فخر سے کہتے تھے کہ وہ کس طرح انگریزوں کو چکمہ دیتے ہیں اور کبھی نشانے پر گولی نہیں چلاتے۔

ہندوستان واپس پہنچنے پر ہندوؤں میں سے کوئی بھی اپنے اُن ساتھیوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا تھا جو افغانستان

جس چکے تھے اور نہ ہی انھیں کھانا پکانے کے برتنوں کو چھونے دیتے تھے۔ وہ ان سب کو خارج از مذہب سمجھتے تھے، اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے تھے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ۲۷ویں نیٹو انفنٹری کے سپاہی، جنھیں غزنی میں قید کر لیا گیا تھا، سب کو مسلمان بننے پر مجبور کیا گیا۔

فیروز پور میں، ۷۱ویں نیٹو انفنٹری میں ایک صوبیدار، ظالم سنگھ نے ۳۵ویں لائٹ انفنٹری کے جوانوں سے کہا کہ وہ اپنا مذہب کھو چکے ہیں اور مسلمان بن گئے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا یا حقہ نہیں پیتا۔ اس مذموم حرکت پر اس کا جنرل کورٹ مارشل ہوا اور اسے ملازمت سے برخاست کر دیا۔ جب دوسری رجمنٹوں کے سپاہیوں نے سنا کہ افغانستان جانے والے سپاہیوں کے ساتھ ان کے اپنے ساتھیوں نے ایسا سلوک کیا اور سنا کہ انھیں افغانستان میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو وہ حکومت سے بے حد غیر مطمئن اور ناخوش ہوئے کہ انھیں کیوں وہاں جانے کا حکم دیا گیا اور کسی بھی ساز گار موقعے پر اپنے جذبات کے اظہار کا ارادہ ٹھان لیا۔

بغاوت کی پہلی علامات ۶۴ویں نیٹو انفنٹری میں پھوٹیں، جو سندھ کی مہم پر مامور تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ سکھر پہنچنے سے پہلے ہی انھوں نے اپنی تنخواہ کے مسئلے پر بغاوت کر دی۔ ۷ویں لائٹ کیولری اور کئی دوسری رجمنٹوں نے انتہائی باغیانہ جذبے کا مظاہرہ کیا لیکن ۶۴ویں رجمنٹ میں چند آدمیوں کو پھانسی دینے، چند کو برخاست کرنے اور وہاں سے منتقل کر دینے کے علاوہ حکومت نے عدم اطمینان کے اظہار پر بہت کم توجہ دی۔

اس کے کچھ سال بعد انگریزوں نے سکھوں کے ساتھ جنگ کی اور پنجاب کو اپنے مفتوحات میں شامل کر لیا۔ اس الحاق کے بعد ہندوستانی سپاہی یہاں تعینات ہو گئے اور جب تک وہ پنجاب میں رہے دگنا بٹّا وصول کرتے رہے۔ لیکن برطانوی حکومت نے کبھی کھل کر یہ اعلان نہیں کیا کہ کب تک بٹّا دیا جاتا رہے گا۔ پیسے کی لالچ اور محبت سے سپاہی پنجاب میں ملازمت کرنا پسند کرتے تھے۔ جب پنجاب میں رجمنٹیں ایک مخصوص وقت مکمل کر چکیں تو ان کا دوسری رجمنٹوں کے ساتھ تبادلہ کر دیا گیا۔ پنجاب سے جانے والی رجمنٹیں دگنا بٹّا وصول کرنے کی مجاز نہیں تھیں اور وہ صرف وہی تنخواہ پاتی تھیں جو متعلقہ صوبوں میں مقرر تھی۔

یہ امر ایک بڑی شکایت کے طور پر دیکھا گیا۔ اسی وجہ سے امرتسر میں ۶۶ویں رجمنٹ نے بغاوت کر دی جس پر اسے توڑ دیا گیا۔ میری عاجزانہ رائے میں ان کے ساتھ بہت مناسب سلوک کیا گیا۔ اس لیے کہ اگر ایک فوج اپنے نمک سے بے وفا ہے، اور فیصلہ کرنے پر قادر ہے کہ اسے کیا تنخواہ ملنی ہے، تو اس کا کیا فائدہ؟ ہر ایک کا حق ہے کہ وہ

اپنے کیے کا بدلا پائے۔ اسی طرح ۳۲ ویں اور ۲۲ ویں نیٹو انفنٹری نے بھی بغاوت کی علامات ظاہر کیں لیکن انھیں خاموش کروا دیا گیا۔ حکومت کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جب کوئی سپاہی ایک یا دو مرتبہ بغاوت کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو وہ ایک سپاہی کے طور پر بیکار ہو جاتا ہے۔ ایک باغی سپاہی اپنی پوری کمپنی کو متاثر کرتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک کے بعد دوسرا سپاہی، یا خوف یا ہمدردی سے، بغاوت میں شریک ہو جاتا ہے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ جب سپاہی مل کے بغاوت کریں تو رجمنٹ کا کمانڈنگ آفیسر پوری صورت حال سے حکومت کو آگاہ کرے۔ بصورت دیگر حکومت اس حقیقت سے کیسے آگاہ ہو سکتی ہے اور بغاوت کے جذبات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے مناسب انتظامات کیسے کر سکتی ہے؟ میرے علم کے مطابق بہت سے کمانڈنگ آفیسرز نے اپنی رجمنٹ کے بارے میں سب اچھا کی اطلاع دی جب کہ وہ جانتے تھے کہ سپاہیوں میں عدم اطمینان اور برے جذبات پائے جاتے ہیں اور میرے خیال کے مطابق نیک نامی کی خاطر اپنی رجمنٹوں کی اصل حالت کو اس وقت تک چھپاتے رہے جب تک کہ سپاہیوں نے اپنے افسروں کو قتل نہ کرنا شروع کر دیا۔

مجھے پورا یقین ہے کہ بغاوت کی اصل وجہ اور برطانوی حکومت کے خلاف ہندوستانیوں کے عمومی احساسات، ریاست کو ابھی تک اچھی طرح معلوم نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب میں آزادانہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔

سرداران

اب میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ ہندوستان کے سردار اور اعلیٰ طبقے کے سرکردہ افراد برطانوی حکومت سے کیسے غیر مطمئن ہوتے گئے۔

۱۸۴۹ء یا ۱۸۵۰ء میں حکام نے سہارن پور میں ہفتاد و دو ملت کے بیماروں کے لیے ایک بڑا ہسپتال بنایا۔ مقتدر حکام (میں نام بتانے سے گریز کروں گا، حالاں کہ میں ایسا کر سکتا ہوں) نے ایک عام اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ تمام بیمار؛ مرد ہوں یا عورتیں، اعلیٰ یا ادنیٰ، پردہ نشین (جو کبھی بھی عوامی مقامات پر نہیں جاتیں) یا دیگر؛ لازمی طور پر علاج کے لیے اسی ہسپتال میں آیا کریں۔ تمام مقامی طبیبوں کو بیماروں کے علاج اور دوا تجویز کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس عام اعلان کا مفہوم جب سرکردہ افراد کو بوضاحت بتایا گیا تو انھوں نے بہت سے آدمیوں کو اکٹھا کر کے مزاحمت برپا کی کیوں کہ لوگوں نے اپنی لاعلمی میں یہ تصور کر لیا تھا کہ انگریزوں کا یہ ارادہ ہے کہ سب کی عزت و آبرو چھین لی

جائے۔ اس پر وہ غصے میں آ گئے اور پُر جوش ہو گئے اور مزاحمت کا تہیہ کر لیا لیکن اسلحے کی کمی کے باعث وہ ایسا نہ کر سکے۔ جب حکام نے اس اعلان سے پیدا ہونے والے احساسات کو دیکھا تو انھوں نے یہ حکم نامہ واپس لے لیا اور کچھ دیر کے لیے جوش و خروش کم ہو گیا۔

اس کے ایک یا دو سال بعد، میری رجمنٹ ۸وِیں نیٹو انفنٹری، شاہ جہان پور چھاؤنی میں مقیم تھی۔ مجھے شہر کے نمایاں لوگوں سے ملنے کی عادت تھی۔ بات چیت کے دوران ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی جرم کرتا ہے تو جرم کی نوعیت اور ملکی قوانین کے مطابق سزا پاتا ہے۔ یہ سب بالکل درست اور مناسب ہے اور اس کے خلاف ہمیں کچھ نہیں کہنا چاہیے لیکن اس قانون کو ضرور برا جاننا چاہیے جو ہمارے مذہب کو نقصان پہنچائے۔ جیسا کہ جب کسی کو قید سنائی جاتی ہے، جیل پہنچتے ہی اس کی ڈاڑھی مونچھیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑی توہین ہے۔ جیل میں حکم دیا جاتا ہے کہ مسلمان اور ہندو قیدی اپنے اپنے میس میں کھانا کھائیں۔ اس میں ایک مسلمان کے لیے کوئی اچرج نہیں ہے، لیکن ہندوؤں کے جذبات اور مذہب کے لیے نہایت مضر ہے۔ ایک ہندو دوسرے کے ہاتھ سے نہیں کھائے گا جب تک کہ وہ اس کا بھائی یا کزن نہ ہو۔ حکومت کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ برہمنوں کی بہت سی گوتیں ہیں۔ جیسے کہ تیواڑی، دُوبے، چوبے، پانڈے، مشرا، اُپادھیائے، شکلا، باجپائی، اگنی ہوتری، اور بہت سی۔ اگرچہ یہ سب برہمن ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھائے گا، یعنی وہ نہیں کھائیں گے جو دوسرے پکاتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کسی فوج میں ایسے آدمیوں کے ہونے کا کیا فائدہ؟ مثال کے طور پر اس رجمنٹ کے ۵۰/ سکھوں میں سے جو حال ہی میں آرہ میں محصور ہو گئے تھے، ایک ہندوستانی برہمن بھی تھا۔ اس آدمی نے پانچ چھ دن تک نہ کچھ کھایا، نہ پیا۔ آخر میں وہ اتنا کم زور ہو گیا تھا کہ وہ از حد مشکل سے کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس مُعسکر میں وہ کسی کام کا نہیں تھا اور ناقابل اعتبار۔ دوسرے آدمی؛ یورپی یا سکھ، جیسے وہ اندر رہے، ویسے باہر آ گئے۔ جیل کے ان انتظامات کی وجہ سے یہ عام رائے تھی کہ حکومت تمام ذاتوں کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ جب کوئی ہندو جیل سے رِہا ہوتا ہے تو اس کے گھر والے اجنبی اور مذہب سے خارج گردانتے ہیں۔ اس وجہ سے قیدی اور اس کے رشتہ دار؛ ہر دو افراد حکومت سے غیر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا ضوابط کی سختی کئی جیلوں میں اپنائی گئی، جس کے نتیجے میں گیا، بنارس اور دیگر کئی جیلوں میں گڑبڑ شروع ہو گئی۔

مشنریز/ مسیحی مبلغین

ان واقعات کے بعد مشنریوں نے تمام مولویوں اور پنڈتوں سے جمع ہونے کی درخواست کی اور جب جمع ہونے والوں سے پوچھا گیا کہ کہ وہ اپنی خواتین کو گھر کیوں بٹھاتے ہیں؟ انھیں دوسرے ممالک کی عورتوں کی طرح باہر آنے جانے دینا چاہیے۔ ان سے کہا گیا کہ انھیں بچوں کا ختنہ نہیں کرنا چاہیے، انھیں جنیو نہیں پہننا چاہیے، یا ان کی عمر ۱۸/ سال ہونے تک ان سے شادی نہیں کرنی چاہیے۔ نیز یہ کہ مذکورہ بالا امور میں سے کوئی بھی صورت ضلع کے مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر نہیں کرنی چاہیے۔

ان سوالات اور ہدایات نے مسلمانوں اور ہندوؤں؛ دونوں کے ذہنوں میں خوف پیدا کر دیا۔ وہ آپس میں کہتے تھے کہ اگر حکومت ان احکامات پر مصر ہو تو کیا ہم اپنے رسم و رواج اور مذہب کے خلاف جانے پر مجبور نہیں ہوں گے؟ اس معاملے پر بات کرنے کے لیے دونوں مذاہب کے بہت سے لوگ کلکتہ میں جمع ہوئے۔ دوسری طرف مفصلات میں بھی مشنریوں نے بھی مختلف دیہات میں اسی نوعیت کی آرا ظاہر کیں۔ یہاں تک کہ کم و بیش سبھی اپنے مذہب کے بارے میں گھبرانے لگے اور حکومت سے ناراضی بڑھنے لگی کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ مشنری حکومت کی رضامندی کے بغیر ایسی ہدایات دینے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

حکومت خوب جانتی ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کی عام اکثریت اَن پڑھ اور انتہائی متعصب ہے اور جتنے زیادہ اَن پڑھ ہوں، اس قدر متعصب ہوتے ہیں۔ وہ کتاب و ادب سے بیگانہ ہیں اور یہی سوچتے ہیں کہ جو کچھ ان کے باپ دادا نے ان سے پہلے کیا، وہ ہی سب سے بہتر ہے۔ مثال کے طور پر، وہ وہی لباس پہنتے ہیں جیسا ان کے آباؤ اجداد ان سے پہلے پہنتے تھے۔ تصور کریں کہ اگر وہ انگلش طرز کا کوٹ یا ٹراؤزر پہنتے ہیں تو یہ عیسائی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کوئی نئی بات یا کوئی ایسی بات جسے وہ سمجھ نہیں پا رہے، کسی نہ کسی طریقے سے ان کے مذہب پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ ان کی ایسی حماقتوں سے ہی گزشتہ انتشار اور بربادی کو سامنے آنے کا موقع ملا۔

۱۸۵۶ء میں برطانوی حکومت نے ریاستِ اوَدھ کو ضبط کر لیا۔ اس وقت پورے ہندوستان میں معروف تھا کہ انگریز نے اوَدھ کے بادشاہ سے وعدہ کیا تھا (میرا خیال ہے کہ اس نوعیت کا ایک معاہدہ بھی ہوا تھا) کہ سلطنت اوَدھ ضبط نہیں کی جائے گی کیوں کہ سابقہ ادوار میں بادشاہانِ اوَدھ برطانوی حکومت کے لیے متعدد قیمتی مدد فراہم کر چکے تھے۔ جب حکومت ہند نے اوَدھ بھر میں الحاق کا اعلان جاری کیا تو بادشاہِ اوَدھ نے بھی یہ حکم جاری کیا کہ رعایا میں سے کسی کی

جانب سے بھی برطانوی حکام کے خلاف مزاحمت سامنے نہیں آنی چاہیے اور یہ کہ جب برطانوی فوجیں ان کے علاقے میں داخل ہوں تو ہر طرح کی مدد فراہم کی جائے۔ اوَدھ کے سرداروں اور فوج نے اس حکم کی تعمیل کی۔ ہندوستان کے لوگ کہتے تھے کہ ملکِ اوَدھ، بادشاہ کا ہے، چاہے انھوں نے حکومت کے حق میں اچھا کیا یا برا۔ نیز انھوں نے انگریزوں کے ساتھ کسی بھی طرح کا پیمان نہیں توڑا۔ اگر انگریز حکومت کسی ایسے بادشاہ کو معزول کر دے جو ان کا اتنا وفادار رہا ہو تو کون سا نواب یا راجا محفوظ رہے گا؟

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہر وہ سردار، جس کے پاس کھونے کے لیے کچھ بھی تھا، برطانوی حکومت سے خوف کھانے اور شک کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے تھے۔ ان کے پاس مزاحمت کرنے کے لیے کوئی فوج نہیں تھی، اس باعث وہ موزوں موقعے کے انتظار میں خاموش رہے۔

اوَدھ کے لوگوں کے محسوسات مجھے یوں بھی معلوم ہوئے جب میں سکھ رجمنٹ، جو کیپٹن ریٹرے کھڑی کر رہے تھے، میں شامل ہونے کے لیے جا رہا تھا اور ۱۴ مارچ ۱۸۵۶ء کو کان پور پہنچا۔ انھی دنوں اوَدھ کے نواب بھی کلکتہ جاتے ہوئے کانپور میں مقیم تھے۔ میں چھ دن کان پور میں رہا اور بادشاہ کے وکیلوں، درباریوں اور نوکروں سے اکثر ملاقاتیں کرتا رہا۔ بادشاہ اپنے لوگوں کے علاوہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ کان پور کے نمایاں لوگوں اور کان پور میں تعینات رجمنٹ کے بہت سے مقامی افسر اور سپاہی، بادشاہ کے وکیلوں اور نوکروں سے بات چیت کر چکے تھے۔ ان سب کی رائے تھی کہ حکومت نے ریاستِ اوَدھ کی ضبطی کر کے ناانصافی کی ہے اور وہ سب بادشاہ اور اس کے عہدے داران سے ہمدردی رکھتے تھے۔ بٹھور کے سردار (ناناصاحب، جو اپنے دھوکے اور ظلم کے لیے مشہور ہے) کے وکیل یا وزیر وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کہا کہ اوَدھ کو ضبط کرنے پر ان کے آقا انگریزوں سے کتنے ناراض ہیں۔

جس سرائے میں، مَیں عارضی طور پر ٹھہرا تھا، وہ بادشاہ کے ملازمین اور ان کے ملاقاتیوں سے اس قدر بھری ہوئی تھی کہ میں اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ میں شیخ عبدالرحیم کے پاس جا کر رہنے لگا جو پہلی نیٹو انفنٹری کی دوسری کمپنی میں صوبیدار تھے۔ اس آفیسر سے معلوم ہوا کہ اس کی رجمنٹ کے سپاہی بادشاہِ اوَدھ کو بادشاہی سے بے دخل کیے جانے پر برہم تھے اور آپس میں کھل کر اظہار کرتے تھے کہ بادشاہ کے ساتھ ایسے برتاؤ کے بعد، وہ بادشاہ جس کے آباواجداد بھی وفاداری کا دم بھرتے تھے، انگریزوں پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد میں لاہور اپنی نئی رجمنٹ میں شامل ہونے آ گیا اور پھر اس کے ساتھ واپس بنگال چلا گیا۔

مارچ کے اختتام پر، میں سن چکا تھا کہ بارک پور میں مقامی انفنٹری رجمنٹ نے بغاوت کی علامات ظاہر کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس لیے وقتاً فوقتاً میں نے ان کی کارروائیوں کے بارے میں علم حاصل کیا اور اس کی اطلاع اپنی رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر کو دی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ بغاوت سب سے پہلے کلکتہ میں شروع ہوئی تھی، جہاں اوَدھ کا بادشاہ یا تو قیدی تھا یا زیرِ نگرانی تھا۔

کان پور میں بغاوت کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اوَدھ کے بادشاہ دسمبر ۱۸۵۶ء میں کان پور پہنچے اور وہاں ۱۲ یا ۱۵ دن ٹھہرے۔ کان پور کے باشندوں اور سپاہیوں کے پاس بغاوت اور بغاوت کی منصوبہ بندی کرنے کے بہت سے مواقع تھے۔ ان کی دیگر خیالی شکایات کے ساتھ ساتھ اوَدھ کی ضبطی، پوری فوج میں بڑے پیمانے پر عدم اطمینان کا باعث بنی اور اسی وقت بغاوت کا فیصلہ ہوا۔

جب ملکِ پنجاب پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو عمومی حکم نامہ جاری کیا گیا کہ ہر مقیم رجمنٹ میں ۲۰۰ سکھ اور پنجابی مسلمان شامل کیے جائیں۔ بہت سے کمانڈنگ آفیسرز نے مطلوبہ تعداد درج کی، کچھ نے ۱۵۰، اور کچھ نے ۱۰۰۔ جب سکھ اور مسلمان سپاہی بھرتی کے لیے آتے تو کمانڈنگ آفیسرز وعدہ کرتے کہ وہ ان کے بالوں اور ڈاڑھیوں میں کبھی مداخلت نہیں کریں گے۔ اس شرط پر خاص طور پر پنجابی مسلمانوں نے دل لگا کر کام کیا۔ چند سال بعد جنرل آنسن، سابق کمانڈر ان چیف کی طرف سے ایک عمومی حکم نامہ جاری کیا گیا جس میں مسلمانوں کو مقررہ انداز کے مطابق اپنی ڈاڑھی کٹوانے کی ہدایت کی گئی۔ اس حکم کو پہنچائے جانے پر، پنجابیوں نے اپنے متعلقہ کمان دار افسروں سے درخواست کی کہ بھرتی کے وقت وعدہ کیا گیا تھا کہ ہماری ڈاڑھیوں سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔ اب ہم انھیں نہیں کاٹیں گے۔ اس کی اطلاع کمانڈنگ آفیسرز نے کمانڈر ان چیف کو دی لیکن عزت مآب نے ان کی بات نہ مانی بلکہ حکم دیا کہ عمل درآمد کیا جائے اور جو حکم ماننے سے انکار کرے، اسے ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ بہت سے پنجابی سپاہیوں نے ڈاڑھی چھوڑنے کے بجائے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور اپنے گھروں کو چلے گئے۔

راستے میں ملنے والے لوگوں سے انھوں نے سخت شکایت کی کہ کس طرح کمانڈنگ آفیسرز نے ان کا اعتماد توڑا ہے اور کہا کہ انگریزوں پر کسی قسم کا انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ ہندوستانی سپاہی بھی ڈاڑھی کاٹنے کے اس حکم سے اور پنجابیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک سے کافی ناراض تھے۔ اگرچہ بہت سے سپاہی، جو اس حکم کے سبب سے فارغ ہو گئے تھے، دوبارہ بھی رجمنٹوں میں بھرتی ہو گئے اور میں نے اکثر انھیں

اس حکم کے بارے میں یہ بات کرتے سنا ہے کہ وہ اتنے سالوں کی ملازمت کیسے گنوا بیٹھے۔

ستمبر ۱۸۵۶ء میں ایک عمومی حکم نامہ جاری کیا گیا کہ اس کے بعد بھرتی ہونے والے تمام سپاہیوں کو یہ حلف اٹھانا ہوگا کہ جہاں کہیں بھی ان کی خدمات کی ضرورت ہوگی، وہ وہاں جائیں گے۔ بوڑھے سپاہیوں کو جب اس حکم کی خبر ملی تو وہ بہت ڈر گئے اور ناخوش ہو کے کہنے لگے آج تک جو لوگ افغانستان گئے، ان کو آج تک ان کے مذہب میں دوبارہ داخل نہیں سمجھا گیا۔ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ انگریز ہمیں کہاں جانے پر مجبور نہیں کر سکتے، وہ ہمیں اگلا حکم لندن جانے کا بھی دے سکیں گے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے، حکومت کی طرف سے جاری کردہ کسی بھی نئے حکم کو مقامی سپاہی بہت زیادہ شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر رجمنٹ میں اس پر بہت بحث و مباحثہ کیا جاتا ہے۔

حال ہی میں برطانوی حکومت انگریزی رائفل کو مقامی سپاہیوں میں متعارف کروانا چاہتی تھی۔ اس کی سادہ سی وجہ تھی کہ یہ رائفل درستی کے ساتھ نو سو گز تک مار کر سکتی ہے اور اس بنا پر مُسکٹ سے کہیں بہتر ہے۔ یقیناً یہ رائفل حکومت نے جنگ میں سپاہیوں کی جان بچانے کے مقصد سے متعارف کروائی تھی لیکن اس ملک کے باشندے ایسے جاہل، متعصب اور احمق ہیں کہ وہ کبھی بھی یقین نہیں کریں گے کہ کوئی چیز ان کی بھلائی کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

نئی رائفل کی مشق کے لیے تین مقامات مقرر کیے گئے تھے۔ ایک ڈم ڈم، ایک امبالا اور ایک سیال کوٹ۔ ایک نائیک اور چار سپاہی؛ ایک یورپی افسر؛ ایک مقامی افسر؛ اور ایک حوالدار کو نئی رائفل کا استعمال سیکھنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ بھیجے گئے سپاہیوں میں بہت سے برہمن تھے۔ جب یہ لوگ مشق کر رہے تھے تو فورٹ ولیم کا ایک خلاصی ان سپاہیوں کے پاس گیا جو قلعے میں ڈیوٹی پر تھے اور انھیں بتایا کہ نئی رائفلوں کے کارتوس گائے اور سؤر کی چربی سے بنے ہیں۔ اگر وہ ان کارتوسوں کو دانتوں سے کاٹیں گے تو ان کا مذہب جاتا رہے گا۔ یہ سن کر سپاہیوں کے دلوں میں بڑا شک پیدا ہوا۔ برہمنوں نے خاص طور پر ان کارتوسوں کو چھونے پر اعتراض کیا۔ انھیں بتایا گیا کہ حکومت ایسا کرنے پر مجبور کرے گی۔ انھوں نے کارتوس دیکھے تو کہا کہ اگر ہم ان کارتوسوں کو ہاتھ لگائیں اور ہمارا مذہب جاتا رہے تو ہم ان کو دانتوں سے کیسے کاٹ سکتے ہیں؟ انھی دنوں ڈم ڈم کے سپاہیوں نے دیگر رجمنٹوں کو خط لکھے۔ ان خطوں کو پڑھ کر پوری فوج کو یقین ہو گیا کہ وہ وقت آ گیا ہے جب حکومت ان سب کو زبردستی عیسائی بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ سب مجھے دیناپور میں مقیم رجمنٹوں سے معلوم ہوا۔

حقائق کے اس نامکمل تعلق سے حکومت یہ گمان کرے گی کہ کہ پچھلے ۱۶ر سالوں سے سپاہی زیادہ سے زیادہ

باغی ہو چکے ہیں۔ مختلف احکامات، جیسا کہ اوپر بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: جیلوں میں گڑبڑ؛ مشنریوں کے بیانات اور اعلانات؛ اَوَدھ کا الحاق؛ سپاہیوں کو جہاں بھی حکم دیا جائے، وہاں جانے کی حلف برداری؛ اور نئی رائفل کے متعارف ہونے نے پورے ملک اور سپاہیوں میں جنون بھر دیا۔

سردار اور سرکردہ افراد، سپاہیوں سے مسلسل کہتے رہے کہ اپنا مذہب چھوڑنے سے مرنا بہتر ہے۔ صرف اسی وجہ سے بہرام پور میں ۱۹ویں نیٹو انفنٹری نے بغاوت کی اور جب اس رجمنٹ کو کلکتہ میں منتشر کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے، جہاں بھی گئے، یہ کہا کہ انھوں نے اپنے مذہب کی خاطر قربانی دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنی روزی روٹی گنوائی ہے لیکن اپنے مذہب کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ یہ ان کی طرف سے جھوٹ کے سوا کچھ نہیں تھا کیوں کہ حکومت نے انھیں کبھی نئے کارتوس جاری ہی نہیں کیے تھے۔ پرانے کارتوس جو انھیں استعمال کرنے کی عادت تھی، صرف وہی جاری کیے گئے تھے۔ جب مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ کہیں بھی نئی رائفلیں جاری ہی نہیں کی گئیں تو حکومت کو آخر کارتوس کیوں جاری کرنا چاہیے تھے؟ جب میرٹھ میں رجمنٹوں نے سنا کہ ۱۹/ ویں رجمنٹ کو توڑ دیا گیا ہے، جیسا کہ ان کے خیال میں نئے کارتوسوں کو چھونے پر اعتراض کے سبب، وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جب کمانڈنگ آفیسرز نے اپنے جوانوں سے وعدہ کرنا شروع کیا کہ انھیں نئی رائفل استعمال کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا جائے گا تو سپاہیوں نے ان پر یقین نہیں کیا بلکہ انھیں جھوٹا کہا، ان باتوں پر یقین رکھتے ہوئے جو ان کے ہم وطنوں اور ساتھیوں نے انھیں بتائی تھیں۔ اس وقت سب ایک جیسے بغاوت کی حالت میں تھے۔

میرٹھ کے سپاہیوں نے بغاوت کی اور جتنے افسروں کو قتل کر سکتے تھے، قتل کیا۔ دہلی کے بادشاہ کے پاس جا کر ان کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے بتایا کہ پوری فوج انگریزوں کی اطاعت چھوڑ چکی ہے اور اب اس کے اختیار میں ہے۔ 'تو اب،' مقامی افسروں نے کہا، 'آپ ہمارے منتخب کردہ اور موروثی بادشاہ ہیں، حکم دیں اور ہم ان کافر انگریزوں سے لڑنے کے انتظامات کریں گے۔' دہلی کے بادشاہ کا دنیا کے ساتھ تعامل بہت کم ہے اور مقامی سپاہیوں کے ساتھ تو اب اور بھی کم ہے، غداری کے مقاصد کے ساتھ، انھوں نے سپاہیوں کی باتوں پر آسانی سے یقین کیا اور فوراً ہی اپنے آپ کو بادشاہ قرار دے دیا اور جنگ کی تیاریاں فوراً شروع ہو گئیں۔

جب کان پور کے فوجیوں نے سنا کہ دہلی میں یہ کچھ ہو رہا ہے، انھوں نے بغاوت کر دی اور دہلی کی طرف کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے لیکن غدار نانا صاحب نے ہتھیار اٹھا کر انھیں اپنے ساتھ رہنے پر آمادہ کیا۔ اس ظالم کی

طرف سے کیے گئے ظالمانہ اعمال اب دنیا کے لیے اس کا تشخصِ اَخّص بن چکے ہیں۔ اس بدبخت کا خیال تھا کہ حکومتوں کی تبدیلی سے وہ بااثر اور بارسوخ بن جائے گا۔ اسی نے سپاہیوں کو تمام یورپیوں، ان کی بیویوں اور ان کے چھوٹے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے نہیں لگتا کہ سپاہی اپنے افسروں کو مار ڈالتے اگر ناناصاحب نے انھیں ایسا کرنے پر اُکسایا نہ ہوتا لیکن ہندوستان میں ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے ساتھی کر رہے ہوتے ہیں۔

وقت گزرتے دیناپور کی رجمنٹوں نے بھی بغاوت کر دی اور اپنے آپ کو جگدیش پور کے ایک راجپوت سردار، کوئر سنگھ کے تحت دے دیا۔ ان تینوں رجمنٹوں کے ساتھ کوئر سنگھ نے خود کو انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی مضبوط سمجھا اور خود کو شاہ آباد کا راجا قرار دے دیا (یہ لقب اس نے تقریباً ایک ہفتے تک برقرار رکھا)۔ اس وقت، میں پٹنہ میں اپنی رجمنٹ کے ہیڈ کوارٹر پر تھا اور میں نے سپاہیوں کو بغاوت سے روکنے کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کی لیکن یہ بے فائدہ رہی۔ وہ ہمیشہ سے مجھے اپنوں میں سے نہیں جانتے تھے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ ان رجمنٹوں کی بغاوت کا وقت آن پہنچا ہے تو میں نے اپنے کمانڈنگ آفیسر اور پٹنہ کے کمشنر مسٹر ڈبلیو ٹیلر کو صورت حال کی اطلاع دی اور ان حضرات نے پٹنہ شہر کی طرف ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے اپنے انتظامات کر لیے۔ میری ابتدائی معلومات نے تمام یورپیوں اور ان کے اہلِ خانہ کو کمشنر کے گھر جمع ہونے کے قابل بنایا اور میں نے پٹنہ اور دیناپور، دونوں جگہوں پر اپنی وفاداری ظاہر کرنے کے لیے جو کچھ کیا، وہ ان متعلقہ مقامات کے حکام کو اچھی طرح سے معلوم ہے اور بلاشبہ حکومت اس سے مطلع ہے کیوں کہ مجھے معقول انعام بخشا گیا ہے۔

شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب سے انگریز ہندستان میں آئے ہیں وہ ہمیشہ مذہب اور لوگوں کے تعصبات میں دخل اندازی نہ کرنے میں سب سے زیادہ خاص رہے ہیں لیکن میری عاجزانہ رائے میں انھوں نے اپنی فوج میں صرف اونچی ذات کے لوگوں کو شامل کرنے کی غلطی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر کم تر ذاتوں کے لوگوں کو بھی فوج میں شامل کیا جاتا، جیسا کہ بمبئی کی فوج میں رائج ہے، بغاوت کبھی بھی اس حد کو نہ پہنچتی جو اب پہنچی۔ یہ امر اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ جب ایک نوجوان مطلوبہ بدنی صلاحیت کا حامل ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ وہ اونچی ذات کا ہو یا نیچی؟ میرا ماننا ہے کہ اگر نچلی ذات کے مردوں کو شامل کیا جاتا تو وہ کچھ بھی کرتے اور ہر اس جگہ جاتے، جہاں حکومت چاہتی۔ خلفشار اور خلل اندازی کو روکنے کے لیے مقامی سپاہیوں میں عقیدوں کا باہم مرکب انتہائی ضروری ہے۔

ایک اور وجہ (اور میری رائے میں بہت ہی سنگین) فوج کے باغی اور ناخوش ہونے کی، یہ ہے کہ ترقیاں سب مدت ملازمت کے تحت ہوئیں، نہ کہ قابلیت اور مہارت و صلاحیت کے مطابق۔ تمام عمر رسیدہ سپاہی، ملازمت کے دورانیے کی طوالت کے سبب کمیشنڈ یا نان کمیشنڈ آفیسر ز کے طور پر ترقی پا گئے، قطع نظر اس سے کہ وہ اس کے لیے موزوں ہیں یا نہیں۔ جب کہ ہر لحاظ سے موزوں نوجوان، یہ کہتے کہ ہمیں محنت کرنے کا کیا فائدہ؛ ہم اس وقت تک ترقی نہیں پا سکتے جب تک ہماری باری نہیں آتی اور یہ وقت تب تک نہیں آسکتا جب تک کہ ہمارے سر سفید اور ہمارے منہ دانتوں سے خالی نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے زیادہ تر سپاہی محض اپنی تنخواہیں لیتے تھے اور اپنی ذمہ داریوں سے لاپروا رہتے تھے۔ مقامی سپاہیوں میں عہدے دار، بڑھاپے کے سبب اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے معذور تھے، جبکہ وہ خواہش مند بھی تھے۔ میں اعتماد سے کہتا ہوں کہ مقامی افسروں کی عمومیت، ریاست کے لیے ایک بوجھ بن گئی تھی۔ بجائے کہ وہ سپاہیوں کی کمان کرتے، سپاہیوں نے انھیں حکم دیا اور کمیشنڈ / نان کمیشنڈ افسروں نے بجائے بغاوت سے روکنے کے، انھیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا۔

اب میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ مقامی سپاہیوں کے احساسات اور ارادے یورپی افسروں کو کیوں معلوم نہیں ہو سکے۔ پہلے زمانے میں افسران مقامی خواتین کو گھروں میں ڈال لیا کرتے تھے اور ان کے رابطے میں مستقل طور پر مقامی افسر اور سپاہی رہتے تھے اور یورپی آفیسر ان کی زیادہ دل جوئی کیا کرتے تھے۔ ان خواتین نے رجمنٹ میں بڑی حد تک رسوخ پیدا کیا۔ یہ سب سپاہیوں کے موافق تھا۔ اس انداز سے افسروں نے حکومت کی بہتر خدمات انجام دیں کیوں کہ وہ اپنے آدمیوں کے کردار سے اور کیمپ میں جو کچھ ہوتا تھا، اس سے بہتر طور پر واقف ہو جاتے تھے۔ بعد کے ادوار میں ایسا نہیں رہا۔ مجھے لگتا ہے کہ پچھلے بیس سالوں میں جن افسران کو تعینات کیا گیا، وہ سابقہ دور کے افسران سے بہتر تعلیم یافتہ ہیں۔ اب افسر انگریز عورتوں سے شادی کرتے ہیں اور افسروں اور سپاہیوں میں قدر مشترک کوئی نہیں رہی۔ آخری چند برسوں سے سپاہی اپنے افسروں پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بغاوت ہوئی تو افسروں کو بڑی حد تک غلط اطلاعات ملیں۔ مجھے ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ اپنے کمانڈنگ آفیسر کو جو کچھ ہوتا ہے، اس سے آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ اگر تمام مقامی افسران ایسا کرتے تو فوج بغاوت نہیں کر سکتی تھی۔

میں یہ بتانے کی اجازت چاہتا ہوں کہ میری رائے میں ہندوستان کے باشندے صرف نیم فوجی دستوں یا پولیس کے لیے موزوں ہیں، اس سادہ سی وجہ کے سبب کہ وہ اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے وطن میں خدمات انجام

دینے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ حکومت کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی رجمنٹ، کم یا زیادہ عدم اطمینان کا اظہار کیے بغیر سفر شروع نہیں کرتی۔

میری رائے میں سنتھال، سپاہیوں کے لیے بہترین رہیں گے۔ میں نے بہت سی قسم کے آدمی دیکھے ہیں لیکن میں نے پہلے کبھی سنتھالوں جیسے آدمی نہیں دیکھے، جن کا خیال ہے کہ بزرگ و برتر جو کچھ بھی بنانا چاہتا ہے، وہ اچھا ہی ہونا چاہیے، اس لیے وہ سب کچھ کھاتے ہیں۔ وہ لڑنے کے لیے ذات پات یا مذہب کا کوئی تعصب نہیں رکھتے۔ اس لیے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ وہ سب کچھ کریں گے اور حکومت کی مرضی کے مطابق کہیں بھی جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ یہ لوگ وحشی ہیں لیکن انھیں مہذب بنایا جا سکتا ہے، یہاں تک کہ دوسروں جیسے ہو جائیں۔ یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ تہذیب، تہذیب کو جنم دیتی ہے۔

میں مناسب جانتا ہوں کہ مقامی سپاہیوں کے جذبات کو جاننا چاہیے۔ ۱۷۶۳ء میں میرے دادا، انگریزوں کی ملازمت میں تھے، بعد میں صوبیدار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ میرے والد فوج میں پیدا ہوئے اور بالغ ہونے تک ہر جگہ ساتھ رہے۔ وہ ۱۸۰۱ء میں ملازمت میں داخل ہوا اور ۱۸۵۳ء میں بطور صوبیدار، ان کا انتقال ہو گیا۔ میری پیدائش کے وقت سے، جہاں بھی والد کی رجمنٹ گئی، میں ساتھ رہا اور میں ان ہی کی رجمنٹ میں بھرتی ہوا۔ میرے دادا، والد اور میں ایک ہی رجمنٹ میں تھے۔ میں اپنی رجمنٹ کا حوالدار میجر بن گیا اور پھر کیپٹن ریڑے کی دلچسپی سے مجھے بنگال پولیس بٹالین میں منتقل ہونے کا نیک نصیب موقع ملا، جہاں میں صوبیدار اور سردار بہادر کے عہدے تک پہنچا ہوں۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر فوج کے تمام اعمال اور اس کے رسم و رواج، مجھے اچھی طرح معلوم ہیں۔ میرا گھر میری رجمنٹ کے ساتھ رہا ہے اور میں کسی دوسرے کو نہیں جانتا، سوائے سرکار کمپنی کو کہ اسے اپنے سرپرست کے طور پر دیکھتا ہوں۔

اگر محترم گورنر جنرل مجھ سے کوئی سوال پوچھنا چاہیں تو مجھے صرف اپنے آپ کو بہت زیادہ معزز سمجھنا چاہیے اور اگر مشکل کی اس گھڑی میں مَیں کورٹ آف ڈائریکٹرز کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں تو مجھے لندن بھیجے جانے پر اور کسی بھی کے سامنے اپنی رائے ظاہر کرنے میں خوشی محسوس ہو گی کیوں کہ میں یہاں لکھنے سے کہیں زیادہ کہہ سکتا ہوں۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ حکومت کی طرف سے جو بھی احکامات جاری ہوئے ہیں وہ اس ملک کے سرکردہ

افراد اور عوام کے فائدے کے پیش نظر جاری کیے گئے ہیں لیکن ہندوستان کے لوگ اتنے متعصب اور ضدی ہیں کہ ان کو سوائے اس کے کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ ان سے پہلے ان کے باپ دادا یہ کچھ کیا کرتے تھے۔ اور یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مقامی لوگ کذب بیان ہوتے ہیں اور دوغلے ہوتے ہیں۔ افسر کے سامنے کچھ ظاہر کرتے ہیں اور کیمپ میں کچھ۔ وہ جب اپنے افسروں کے پاس کچھ سیکھنے یا کوئی نئی بات بتانے کے لیے جاتے تھے تو خوشامدانہ انداز میں کہتے ، کیا خوب! انگریز بہت ہوشیار ہیں۔ وغیرہ وغیرہ لیکن ان کے دلوں میں واقعتاً یہ خوف ہوتا تھا کہ کہیں اس کا مقصد ان کے مذہب کو متاثر کرنا تو نہیں؟ واپسی پر اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ حالانکہ میں جانتا تھا کہ یہ سب جھوٹ اور بہت برا کہا ہے، پھر بھی میں نے صاحب کی چاپلوسی کرتے ہوئے یہ کہا۔

آخر میں، مجھے یقین ہے کہ حکومت، جو کچھ میں نے نیک دلی سے لکھا ہے، اسے قبول کرے گی۔ جہاں تک مجھے سچ معلوم ہے میں نے بغیر کسی خوف کے لکھ چکا ہوں۔ اگر میں نے کچھ غلط لکھا بھی ہے تو مجھے یقین ہے کہ حکومت مجھے معاف کر دے گی کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد حکومت کی بھلائی ہے اور میں نے سچ لکھا ہے کیوں کہ میرا تجربہ ہے کہ انگریز سچ سے محبت کرتے ہیں۔

(دستخط شدہ) شیخ ہدایت علی

صوبیدار / سردار بہادر، بنگال سکھ پولیس بٹالین

کیمپ آرہ، ۳۰ جنوری ۱۸۵۸ء۔

RADCLIFFE LIBRARY UNIVERSITY OXFORD
G.245. E. 35/2
245 g

A FEW *words relative to the late* MUTINY OF THE BENGAL ARMY, *and the Rebellion in the Bengal Presidency, by* SHAIK HEDAYUT ALI, *Subadar and Sirdar Bahadoor, Bengal Sikh Police Battalion, commanded by Captain T. Rattray, who has translated this paper from the original Oordoo.*

I DEEM it my duty, as far as it lies in my power, to explain what has led to the disaffection lately so universally evinced both by the Native Army and many of the Sirdars or Chieftains throughout Hindoostan.

It is well known to the British Government, and to all the World, that the country of Hindoostan in former times was almost solely inhabited by people of Hindoo persuasion, and that many years afterwards the Mahomedans conquered the country; and it is also well known that the Hindoos are proverbially foolish on the score of religion, and deem no religion equal to their own.

To the best of my belief and understanding, the first symptoms of disaffection to the British Government on the part of the Sepoys were shown in 1833, when an Army from Hindoostan was ordered to Cabool. When this Army crossed the Indus at Attock, the Sepoys became discontented, grumbling, and angry. They heard that when Rajah Maun Sing, Wuzeer of one of the former Emperors of Delhi, crossed the Indus to wage war with the Affghans, he caused all the Brahmins to take off their *Janeo*, or sacred thread worn by Brahmins, and emblematic of their caste, and told all his men that the Hindoo religion extended no further than the Indus. Maun Sing built a temple on the other side the Indus, and in this temple the Brahmins were directed to suspend their *Janeo*. This fact is well known to all Hindoos, whether literate or the reverse. One of the customs of the Hindoos is never to eat or cook their food until they have bathed and gone through other forms of their religion. When in 1838-39 the Army reached Affghanistan, the Hindoos left off bathing, and the performance of other acts which their form of religion demanded, on account of the extreme cold, to which they were unaccustomed. Whatever they purchased in the Bazaar for their daily food, they were compelled to take from the hands of Mahomedans, because in the Cabool country all the Buneeahs with few exceptions are of the Mahomedan faith. The Hindoos being obliged as above stated to abstain from certain acts of their religion, (bathing, which to a Hindoo is almost as necessary as his daily food), and to receive their bread from the hands of Mahomedans, fancied they had lost their caste, and had been forced to become Mahomedans; they therefore became much dissatisfied and disgusted.

When the winter set in at Cabool, the Hindoostani Sepoys suffered much from the snow and cold. The Commanding Officers pitying their condition gave to each man a *posteen*, or jacket, made of sheep-skin, the wool worn inwards. The Sepoys at the time pretended much to be pleased with the posteens, but really in their hearts were much displeased, because no Hindoo except of the lowest caste likes to touch the skin of a dead animal. Fearing to object they consented to wear them. They thought and talked openly amongst themselves, " We must not show our

(10)

father wherever his Regiment went, and in his Regiment I was enlisted. Both my grandfather and father as well as myself were in the same corps. I rose to be Havildar Major of my Regiment, and then through the interest of Captain Rattray had the good fortune to get transferred to the Bengal Police Battalion, where I have risen to the rank of Subadar and Sirdar Bahadoor. For the above reasons all the doings of the Army and the customs thereof are well known to me. My home has ever been with my Regiment, and I have never known any other, and I look upon the Sirkar Company as my guardian.

Should the Right Honorable the Governor General wish to ask me any questions, I should consider myself only as too much honored, and if I could be of any service to the Court of Directors in this moment of difficulty, I should only be too glad to be sent to London, and explain my opinion before any one, for I could say a great deal more than I have here written.

I am well aware that whatever orders have been issued by the Government have been done so with the view to the benefit of the Sirdars and people of this country, but the people of Hindoostan are so bigotted and obstinate that they will understand nothing but what their fathers did before them, and it must ever be recollected that the Natives are liars, and have two tongues, one for their Officers and one for the lines, so that when they went to their Officers to learn anything or to be told of anything new, by way of flattery they said, "How very good! you English are very clever," &c. &c., but in their hearts were really afraid that it must be intended in some way to affect their religion, and on their return to their lines would talk it over with their comrades and say, "Although I knew it was all a lie and very bad, yet by way of flattering the Sahib, I said quite the contrary."

In conclusion, I trust that the Government will take what I have written in good part; I have written, as far as I know the truth, without fear. If I have written anything improper I trust the Government will forgive me, for what I have written is intended for the good of the Government, and I have written the truth because I know from experience that the English love the truth.

(Signed) SHAIK HEDAYUT ALI,

Subadar and Sirdar Bahadoor, Bengal Sikh Police Battalion.

Camp Arrah,
January 30th 1858.

True Translation,

T. RATTRAY, *Captain.*

شیخ ہدایت کے محضر کے انگریزی ترجمے کے پہلے اور آخری ورق کا عکس

شیخ ہدایت علی، لیفٹیننٹ کرنل (اعزازی) [۵۰]

۴۵ویں بنگال رجمنٹ، (Rattray's Sikhs) ۱۸۷۵ء۔ میجر شیخ ہدایت علی (نشستہ، بائیں جانب سے تیسرے) [۵۱]

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۱۹۸۷ء) اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ زبان و ادبیاتِ اردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ sajidsnizami@gmail.com

۱۔ ۱۸۵۷ء سے متعلق چند ایک حوالے کی کتب ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔ تمام مآخذ بالفعل اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی فہرست سازی کے لیے جدا طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۸۵۷ء (تاریخی، علمی اور ادبی پہلو)، مرتب: محمد اکرام چغتائی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)۔

۱۸۵۷ء (روزنامچے، معاصر تحریریں، یادداشتیں) مرتب: محمد اکرام چغتائی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)۔

۱۸۵۷ء، خیال نمبر، مرتبین: انتظار حسین، ناصر کاظمی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)۔

۱۸۵۷ء۔ غلام رسول مہر (لاہور: کتاب منزل، س۔ن۔)۔

Mutiny Records Reports، حصّہ اوّل، (لاہور: پنجاب گورنمنٹ پریس، ۱۹۱۱ء)۔

اٹھارہ سو ستاون کا تاریخی روزنامچہ، عبداللطیف، مترجم و مرتب: خلیق احمد نظامی (ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۱ء)۔

ایڈورڈ تھامسن [Edward Thompson]، انقلاب سنہ ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ، مترجم: شیخ حسام الدین امرتسری، (لدھیانہ: ۱۹۳۱ء)۔

ایرک سٹاکس [Eric Stokes]، *The Peasant Armed: The Indian Revolt of 1857* (اوکسفرڈ: کلارنڈن پریس، ۱۹۸۶ء)۔

ایس۔ بی۔ چوہدری [S. B. Chaudhuri]، *Civil Rebellion in the Indian Mutinies, 1857–1859* (کلکتہ: ورلڈ پریس، ۱۹۵۷ء)۔

اینڈریو وارڈ [Andrew Ward]، *Our Bones Are Scattered: The Cawnpore Massacres and the Indian Mutiny of 1857* (نیویارک: ہنری ہالٹ، ۱۹۹۶ء)۔

آر۔ سی مجمدار [R. C. Majumdar]، *The Sepoy Mutiny and the Revolt of 1857* (کلکتہ: فرمہ کے ایل مکھوپدھائے، ۱۹۵۷ء)۔

پی۔ سی۔ جوشی [P. C. Joshi] مرتب، *Rebellion 1857: A Symposium* (نئی دہلی: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۷ء)۔

پی۔ سی۔ جوشی، مدون، انقلاب ۱۸۵۷ء (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)۔

تفضل حسین کوکب، فغانِ دہلی (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۴ء)۔

ٹی۔ راس ہومز [T. Rice Holmes]، *A History of the Indian Mutiny* (لندن: میک میلن، ۱۸۹۸ء)۔

جون ولیم کے [John William Kaye]، *History of the Sepoy War in India, 1857–1858* (لندن: ڈبلیو ایچ ایلن، ۷۶-۱۸۶۴ء)۔

جون ولیم کے [John William Kaye]، جارج بروس میلیسن [George Bruce Malleson]، *History of the Indian Mutiny of 1857–58* (لندن: ڈبلیو ایچ ایلن، ۱۸۹۷ء)۔

چارلس بال [Charles Ball]، *The History of the Indian Mutiny* (لندن: لندن پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی، ۵۹-۱۸۵۸ء)۔

خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگِ آزادیِ ہند، اٹھارہ سو ستاون ۱۸۵۷ء (رام پور: رام پور رضا لائبریری، ۲۰۰۰ء)۔

خورشید مصطفیٰ رضوی، جنگِ آزادی اٹھارہ سو ستاون (دہلی: مکتبہ بُرہان، ۱۹۵۹ء)۔

رودرنگشو مکھرجی [Rudrangshu Mukherjee]، *Awadh in Revolt, 1857–1858: A Study of Popular Resistance* (دہلی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۴ء)۔

سرسید احمد خان، اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون (آگرہ: مفصلائٹ پریس، ۱۸۵۹ء)۔

سریندر ناتھ سین [Surendra Nath Sen]، *Eighteen Fifty-Seven* (نئی دہلی: پبلشنگ ڈویژن، حکومتِ ہند، ۱۹۵۷ء)۔

سریندر ناتھ سین [Surendra Nath Sen]، اٹھارہ سو ستاون: ۱۸۵۷ء، مترجم: خورشید پروین (نئی دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، حکومتِ ہند، ۲۰۰۱ء)۔

سلیم الدین قریشی، مؤلف و مدون، اسباب بغاوت ہند۔ سر سید احمد خان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)۔

سیتارام پانڈے [Sita Ram Pandey]، جیمس ڈی لنٹ [James D Lunt]، *From Sepoy to Subedar: Being the Life and Adventures of Subedar Sita Ram, a Native Officer of the Bengal Army Written and Related by Himself* (رٹلیج، ۲۰۱۸ء)۔

سیّد احمد خان بہادر، *The Causes of the Indian Revolt* (بنارس: میڈیکل ہال پریس، ۱۸۷۳ء)۔

ضیاء الدین لاہوری، ۱۸۵۷ء کے چند اہم کردار (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۷ء)۔

ظہیر دہلوی، داستانِ غدر یا طرازِ ظہیری (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۵ء)۔

فلورا اینی سٹیل [Flora Annie Steel]، *On the Face of the Waters* (لندن: ہینی مان، ۱۸۹۶ء)۔

کارل مارکس، [John William Kaye]، *The First Indian War of Independence, 1857–59* (ماسکو: فارن لینگویج پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء)۔

کرسٹوفر ہبرٹ [Christopher Hibbert]، *The Great Mutiny: India 1857* (لندن: پینگوئن بکس، ۱۹۷۸ء)۔

کم اے واگنر [Kim A. Wagner]، *The Skull of Alum Bheg: The Life and Death of a Rebel of 1857* (لندن: ہرسٹ اینڈ کمپنی، ۲۰۱۷ء)۔

کنھیا لال، تاریخ بغاوتِ ہند مسمٰی بہ محاربہ عظیم (لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۱۶ء)۔

کوشک رائے [Kaushik Roy]، *The Indian Rebellion, 1857–1859: A Military History in the Global Context* (لندن: رٹلیج، ۲۰۲۴ء)۔

گریگری فری مانت بارنز [Gregory Fremont Barnes]، *The Indian Mutiny 1857–58* (اوکسفرڈ: اوسپرے پبلشنگ، ۲۰۱۲ء)۔

محمد عتیق صدیقی، اٹھارہ سو ستاون ۱۸۵۷ء، اخبار اور دستاویزیں (دہلی: مکتبہ شاہراہ، ۱۹۶۶ء)۔

ولیم ڈال رمپل [William Dalrymple]، *The Last Mughal: The Fall of Delhi, 1857* (لندن: بلومز بیری پبلشنگ، ۲۰۰۶ء)۔

ونائک دامودر ساوارکر [Vinayak Damodar Savarkar]، *The Indian War of Independence, 1857* (لندن: ۱۹۰۹ء)۔

۲۔ پہلی مرتبہ یہ مختصر سا رسالہ ۱۸۵۹ء میں سر سید کی ذاتی مساعی سے اردو زبان میں مفصلات پریس، آگرہ میں طبع ہوا۔ اسے عام استفادے کے لیے مشتہر نہ کیا گیا بلکہ اس کی چند ایک کاپیاں سر سید نے اپنے پاس رکھ کر بقیہ کاپیاں متعلقہ حکام کے ملاحظے کو انگلستان بھجوا دیں۔ ۱۸۷۳ء میں سر سید کے دو انگریز دوستوں؛ جی ایف گراہم اور سر آکلینڈ کالوِن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر کے The Causes of Indian Revolt کے عنوان سے شائع کیا۔ اگرچہ اس طباعت پر ان مترجمین کے نام درج نہیں کیے گئے۔ محض By His Two European Friends ہی لکھا گیا۔ ۱۹۰۱ء میں جب حیاتِ جاوید شائع ہوئی تو الطاف حسین حالی نے اس کا اصل اردو متن ضمیمے کے طور پر شامل کر کے رسالۂ اسباب بغاوت ہندوستان کا عنوان قائم کر دیا جو بعد کو اسباب بغاوت ہند میں تبدیل ہو گیا۔ تب سے اب تک حالی کے دیے گئے عنوان کے تحت ہی اس کی متعدد اشاعتیں / طباعتیں سامنے آ چکی ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں سلیم الدین قریشی نے اس کا اردو اور انگریزی متن ترتیب دے کر شائع کروایا۔ ۲۰۲۱ء میں حافظ محمد صفوان چوہان کی مساعی سے اس کی ایک عمدہ اشاعت بُک کارنر، جہلم سے سامنے آئی ہے، جس میں اردو اور انگریزی متون کے ساتھ متعدد مفید ضمیمے بھی ایزاد کیے گئے ہیں۔ ذیل میں درج بالا نمایاں اشاعتوں کے طباعتی کوائف ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

سر سید احمد خان، اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون (آگرہ: مفصلائٹ پریس، ۱۸۵۹ء)۔

سیّد احمد خان بہادر، *The Causes of the Indian Revolt* (بنارس: میڈیکل ہال پریس، ۱۸۷۳ء)۔

الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید (کانپور: رحمت اللہ رعد نامی پریس، ۱۹۰۱ء)، ۱۵-۷۰۔

اسباب بغاوت ہند۔ سر سید احمد خان، تالیف و تدوین: سلیم الدین قریشی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)۔

رسالہ اسباب بغاوت ہند۔ سید احمد خان، تقدیم و تدوین: معین الدین عقیل (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۸ء)۔

اسباب بغاوت ہند۔ سر سید احمد خان، تدوین: محمد صفوان چوہان (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۱ء)۔

۳۔ ضیاء الدین لاہوری، ۱۸۵۷ء کے چند اہم کردار (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۱۰۵-۱۴۰۔

۴۔ سر سید احمد خان، اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون (آگرہ: مفصلائٹ پریس، ۱۸۵۹ء)، ۱۔

۵۔ اسباب بغاوت ہند۔ سر سید احمد خان، تالیف و تدوین: سلیم الدین قریشی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۶۔

۶۔ سی۔ ای۔ بک لینڈ [C. E. Buckland]، *Dictionary of Indian Biography* (لندن: سوان سونیشن اینڈ کمپنی، ۱۹۰۶ء)، ۲۰۰۔

اصل متن:

> Hidayat Ali, Khan Bahadur (? -1882) Attached at first to Rattray's Sikhs (45th N.I.): was at the sieges of Multan, 1848-9, and at Ramnagar and Gujarat: in 1856, in Rattray's Police Battalion: in the mutiny at Dinapur assisted the civil authorities to arrest rebels: gained the first class of the Order of British India, made Sirdar Bahadur at several engagements defeated the Shahabad rebels in 1858: gained the first class Order of Merit in the Sikhim expedition, 1861: and helped with Rattray's police force to suppress disturbances at Sambalpur: with the police in 1862, helped to put down the rebellion in the Khasia and Jaintia hills assistant to the Political Officer in the Bhutan expedition: Commandant of the Cooch Behar troops: in charge of the Coolie Corps in the Lushai expedition, 1871-2: Khan Bahadur: A.D.C. to the C in C: C.I.E: died at Dinapur, July 3, 1882: Lt-Colonel: an officer of great soldierly qualities and capacity.

۷۔ کرنل جارج میلیسن [Col. G. B. Malleson]، "Without Fear and Without Reproach"، مشمولہ *The Army and Naval Magazine*، جلد ۵، نومبر ۱۸۸۲-اپریل ۱۸۸۳ (لندن: ڈبلیو۔ ایچ۔ ایلن اینڈ کمپنی، ۱۸۸۳ء)، ۵۳۸-۵۵۸۔

کلف پیریٹ [Cliff. Parrett]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali, Khan Bahadur, Sardar Bahadur, CIE, OBI, IOM"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، جلد ۷۷، شمارہ ۳۱۲ (۱۹۹۹ء)، ۲۶۹-۲۷۴۔

رانا تیج پرتاپ سنگھ چھینا [Rana T. S. Chhina]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali: Some Further Details"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، جلد ۸۰، شمارہ ۳۲۳ (۲۰۰۲ء)، ۲۲۱-۲۲۸۔

۸۔ ہدایت علی، *A Few Words Relative to the Late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency*، مترجم: تھامس ریٹرے [Thomas Rattray] (۱۸۵۸ء)، ۹۔

۹۔ کرنل جارج میلیسن [Col. G. B. Malleson]، "Without Fear and Without Reproach"، مشمولہ *The Army and Naval Magazine*، ۵۴۱۔

۱۰۔ کلف پیریٹ [Cliff. Parret]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali, Khan Bahadur, Sardar Bahadur, CIE, OBI, IOM"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، ۲۷۰۔

۱۱۔ کرنل جارج میلیسن [Col. G. B. Malleson]، "Without Fear and Without Reproach"، مشمولہ *The Army and Naval Magazine*، ۵۴۴۔

اصل متن:

At this period Hidayat Ali was in his thirty- first year. Strong of body, though spare of form, standing nine inches and a quarter above five feet, possessing a countenance which displayed energy and fearlessness in every feature, and a manner which, whilst thoroughly respectful to others, showed plainly that its owner was conscious of the respect due to himself, Hidayat, a true soldier, a capital drill, a master among his fellows, was just the man who, under a native government, would have risen to a very high position. But he had no such ambition. His nature was essentially loyal and noble. He was one of those rare beings who cannot be false to their principle; and his principle was loyalty to the nation under whom he, his father, and his father's father had served a nation which he admired, and in whose ranks, he had made many friends Hidayat Alí joined Major Rattray at Lahore early in 1856.

۱۲۔ رانا تیج پرتاپ سنگھ چھینا[Rana T. S. Chhina]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali: Some Further Details"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، ۲۲۵۔

۱۳۔ کلف پیریٹ[Cliff. Parret]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali, Khan Bahadur, Sardar Bahadur, CIE, OBI, IOM"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، ۲۷۳۔

۱۴۔ کرنل جارج میلیسن[Col. G. B. Malleson]، "Without Fear and Without Reproach"، مشمولہ *The Army and Naval Magazine*، ۵۵۶۔

۱۵۔ ایضاً، ۵۵۷۔

۱۶۔ رانا تیج پرتاپ سنگھ چھینا[Rana T. S. Chhina]، "Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali: Some Further Details"، مشمولہ *Journal of the Society for Army Historical Research*، ۲۲۷۔

۱۷۔ ایضاً، ۵۵۶۔

۱۸۔ *Allen's Indian Mail and Register of Intelligence for British and Foreign India*، (۱۱/اگست ۱۸۸۲ء)، ۷۶۴۔

اصل متن:

Lieutenant Colonel Hedayat Ali, native aide-de-camp to the Commander-in-Chief, died at his residence at Dinapore, on the 3rd July, of a carbuncle. Colonel Hedayat Ali was last attached to the 45th Native Infantry (Rattray's Sikhs). The record of his war services says: Served with the late 8th Native Infantry in the first and second sieges of Mooltan 1848-49; was present at Ramnugger and battle of Goozeerat (medal and clasp); transferred to the 1st battalion of police under Major Rattray in 1856; at Dinapore in 1857, when the native regiments were wavering from their allegiance, assisted the civil police in arresting rebels ('1st Class of the Order of British India', with the title of 'Sirdar Bahadoor'); was engaged in the affairs of Sewabee, Dunchoos, and Kusma, also at Dhamooa, where a portion of Colonel Turner's column, under Major Ross, including a party of the Sikhs under Major Rattray, defeated a large number of Shahabad Rebels on the 28th October, 1856 (1st Class of the Order of Merit) employed in the Sikkim expedition in 1861 under Lieutenant Colonel Gawler (brought prominently to the notice of Government); towards the end of 1861 proceeded as Orderly Officer to Major Rattray, commanding the police force sent to quell disturbances at Sambulpore; in 1862 was sent, with the 1st Police battalion, to aid the regular troops in suppressing the rebellion in the Cossyah and Jyntea Hills (brought to the notice of Government by Lieut. Col. Haughton); was employed in the late expedition to Bhootan as Assistant to the Chief Political Officer and Commandant, Cooch Behar Troops, and for his services received the title of Khan Bahadoor.

۱۹۔ سی۔ای۔بک لینڈ[C. E. Buckland]، *Dictionary of Indian Biography*، ۳۵۱-۳۵۲۔

اصل متن:

> Rattray, Thomas (1820-1880) Colonel: entered the Army in 1839: served under General Pollock in the Khyber in 1842, and was severely wounded: under Sir C. Napier in Sind against the hill tribes: in 1856 he raised and organized a body of Sikhs, included in the Army as the 45th Bengal N.I., and known as Rattray's Sikhs: commanded them through the mutiny: Brevet-Major: Assistant-Adjutant General, 1878: died Oct. 21, 1880: C.B. C.S.I.

۲۰۔ ہدایت علی، *A Few Words Relative to the Late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency*، مترجم: تھامس ریٹرے[Thomas Rattray](۱۸۵۸ء)۔

اصل متن:

> A few words relative to the late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency, by Shaik Hedayut Ali, Subadar and Sirdar Bahadoor, Bengal Sikh Police Battalion, commanded by Captain T. Rattray, who has translated this paper from the original Oordoo.

۲۱۔ ایضاً، ۱-۲۔

۲۲۔ ایضاً، ۲۔

۲۳۔ ایضاً، ۳۔

۲۴۔ ایضاً، ۳-۴۔

۲۵۔ ایضاً، ۴۔

۲۶۔ ایضاً، ۴۔

۲۷۔ ایضاً، ۵-۶۔

۲۸۔ ایضاً، ۶۔

۲۹۔ ایضاً، ۵-۶۔

۳۰۔ ایضاً، ۷۔

۳۱۔ ایضاً، ۸۔

۳۲۔ ایضاً، ۹۔

۳۳۔ جھاڑکھنڈ، بہار، چھتیس گڑھ، اڈھیشا، مغربی بنگال، آسام، تری پورہ، بھوٹان، نیپال؛ میں پھیلے ہوئے قبائل۔ سنتھال، ہندوستان کا تیسرا بڑا اشیڈولڈ قبیلہ ہے۔ جمہوریہ ہندوستان کی موجود صدرِ مملکت دروپدی مرمو بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔

۳۴۔ ہدایت علی، *A Few Words Relative to the Late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency*، مترجم: تھامس ریٹرے[Thomas Rattray](۱۸۵۸ء)، ۹۔

۳۵۔ ایضاً، ۹۔

۳۶۔ ایضاً، ۹۔

۳۷۔ ایضاً، ۱۰۔

۳۸۔ ایضاً، ۵۔

۳۹۔ ایضاً، ۵، ۹۔

۴۰۔ ایضاً، ۸۔

۴۱۔ ایضاً، ۷۔

۴۲۔ ایضاً، ۱۰۔

۴۳۔ ایضاً، ۸۔

۴۴۔ ایضاً، ۱۰۔

۴۵۔ اسباب بغاوت ہند۔ سر سید احمد خان، تالیف و تدوین: سلیم الدین قریشی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۳۹۔

۴۶۔ ایضاً، ۴۵-۴۶۔

۴۷۔ ایضاً، ۲۹۔

۴۸۔ ایضاً، ۲۵۔

۴۹۔ ہدایت علی، *A Few Words Relative to the Late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency*، مترجم: تھامس ریٹرے [Thomas Rattray] (۱۸۵۸ء)، ۳۔

۵۰۔ دیکھیے:
www.facebook.com/photo.php?fbid=10155848861950969&set=p.10155848861950969&type=3
تاریخ ملاحظہ: ۲۰ مارچ، ۲۰۲۶۔

۵۱۔ دیکھیے:
www.facebook.com/photo?fbid=2477413342275020&set=gm.1991050624303834
تاریخ ملاحظہ: ۲۰ مارچ، ۲۰۲۶۔

Bibliography

Allen's Indian Mail and Register of Intelligence for British and Foreign India. London, Aug. 11, 1882.

Buckland, Charles Edward., *Dictionary of Indian Biography*. Swan Sonnenschein & Co., London. 1906

Chhina, Rana T. S. Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali: "Some Further Details". *Journal of the Society for Army Historical Research*, Vol. 80, No. 323, 2002, pp 221-228

Hali, Altaf Husain. *Ḥayāt-i-Jāvēd,* Kanpur: Rahmatullah Ra'd Nami Press, 1901.

Hedayut Ali. *A Few Words Relative to the Late Mutiny of the Bengal Army, and the Rebellion in the Bengal Presidency*. Trans. by T. Rattray. [publisher not identified], 1858.

Khan, Sir Syed Ahmad. *Asbāb-i-Baghāvat-i-Hind*. Ed. Muhammad Safwan Chauhan. Jehlum: Book Corner, 2021.

———. *Asbāb-i-Baghāvat-i-Hind*. Ed. Salim-ud-Din Qureshi. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1997.

———. *Asbāb-i-Sarkashī-i-Hindūstān kā Javāb*. Agra: Mufassal Press, 1859.

Lahori, Zia-ud-Din. *1857 kē Chāñd Aham Kirdār*. Lahore: Ilm o Irfan Publishers, 2007.

Malleson, Col. G. B. "Without Fear and Without Reproach" in *The Army and Naval Magazine*. Vol. 5, Nov. 1882 to Apr. 1883, London, W. H. Allen & Co., 1883, pp 538-558

Parret, Cliff. Hon. Lieutenant-Colonel Sheikh Hedayat Ali, Khan Bahadur, Sardar Bahadur, CIE, OBI, IOM. *Journal of the Society for Army Historical Research*, Vol. 77, No. 312, 1999, pp 269-274

Syed Ahmad Khan Bahadur, *The Causes of Indian Revolt*, Translated into English by His Two European Friends, Medical Hall Press, Benares, 1873

Picture of Hidayat ali www.facebook.com/photo.php?fbid=10155848861950969&set=p.10155848861950969&type=3

Group Photo, 1875. www.facebook.com/photo?fbid=2477413342275020&set=gm.1991050624303834